نومبر ۱۹۸۶

ماہنامہ حکمتِ قرآن لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

حرفِ اول	عاکف سعید	۳
ہدایت القرآن (۲۶)	مولانا محمد تقی امینی	۴
وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ (لشری تقریر)	ڈاکٹر اسرار احمد	۹
تفسیر قرآن سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ	مولانا اخلاق حسین قاسمی	۱۴
حکمتِ اقبال (۱۴)	ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم	۱۷
ڈیپریشن کا علاج بذریعہ نمازِ تہجد	ڈاکٹر خالد حمید صبیح	۲۴
عقیدۂ ختمِ نبوّت	سید شبیر حسین شاہ زاہد	۲۸
کیا عربی زبان مشکل ہے ؟	لطف الرحمٰن خاں	۴۶
تبصرۂ کتب	ادارہ	۵۳
انجمن خدّام القرآن سندھ کی سالانہ رپورٹ	مرتّب: حامد علی رضوی	۵۷

مرکزی انجمن خُدّام القرآن لاہور

ترجمہ قرآن کی تحریک رُوبہ زوال

اب ترجمہ قرآن کریم کی یہ تحریک روبہ زوال ہو رہی ہے اور جس تحریک نے مسلمانوں کے اندر عقائد حقہ پیدا کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا وہ سلسلہ تعلیم و تبلیغ آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جماعت ولی اللہی کا ایک بڑا طبقہ اس تحریک سے دلچسپی لینے کے بجائے اس کی جگہ اُردو کتابوں کے مذاکرہ کو اہمیت دے رہا ہے۔ اس طبقہ میں دینی مذاکروں اور دینی اجتماعات کے اندر درس قرآن" کا کوئی پروگرام نہیں رکھا جاتا بلکہ اُردو کتابوں کی تلاوت کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ امام مسجد نماز کے بعد قرآن شریف کی چند آیات پڑھ کر ان کا ترجمہ اور آسان مطلب بیان نہیں کرتا بلکہ فضائل اعمال کی چند حدیثوں کا اُردو ترجمہ پڑھ کر دعا کرا دیتا ہے۔

دینداروں کی زبان پر قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر کا نام نہیں آتا۔ بلکہ چند مخصوص اُردو کتابیں ہیں۔ جن کا اُٹھتے بیٹھتے ذکرِ خیر کیا جاتا ہے۔ آپ کو مساجد میں قرآن کریم کے تراجم و تفاسیر کی کتابیں کم نظر آئیں گی۔ فضائل کی اُردو کتابیں زیادہ نظر آئیں گی۔

حالانکہ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ نے پورے وثوق کے ساتھ لکھا ہے کہ قرآنِ کریم کے ترجمہ کی یہ برکت ہے۔

۱۔ اس کے پڑھنے سے بچوں اور بچیوں اور کم علم لوگوں میں فطری سلامتی قائم رہتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے پیدائشی طور پر ہر انسان کو جو فطرتِ سلیم عطا فرمائی ہے وہ ماحول کے بُرے اثرات سے محفوظ رہتی ہے

۲۔ اور اگر ماحول کے بُرے اثرات مسلمان کو گناہوں کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں تو پھر بھی اس ترجمہ کی برکت سے مسلمان کو توبہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

(نوٹ) مقدمہ فتح الرحمان کے مذکورہ بالا اقتباسات اس قلمی نسخہ سے لیے گئے ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ دین کی دوسری کتابوں کے پڑھنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ حاصل ہوتا ہے۔ بے شک دین کی ہر کتاب پڑھنے سے فائدہ پہنچتا ہے مگر جو بات کلامِ خداوندی اور اس کے ترجمہ و تشریح کے اندر ملتی ہے وہ دوسری جگہ کہاں؟

(ماخوذ از محاسن موضح القرآن)

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماھنامہ

حکمتِ قرآن

لاھور

جاری کردہ: ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی

معاون مدیر: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

مینجنگ ایڈیٹر: اقتدار احمد

جلد ۷ | اکتوبر ۱۹۸۸ء مطابق صفر المظفر ۱۴۰۹ھ | شمارہ: ۱۰

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاھور

۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاھور ۱۴- فون: ۸۵۲۶۱۱

کراچی آفس: داؤد منزل متصل شادی ہال، شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۲۵۸۶

سالانہ زرِ تعاون: ۴۰/- روپے فی شمارہ: ۴ روپے

مطبع: آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ لاھور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ اوّل

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کہ 'حکمتِ قرآن' کے سابقہ شمارے کی طرح یہ حالیہ شمارہ بھی تیاری و کتابت کے جملہ مراحل سے گزرنے کے بعد بروقت طباعت کے لئے پریس روانہ کیا جا رہا ہے۔ توقع ہے کہ ان شاء اللہ العزیز ۲۰ یا ۳۰ اکتوبر تک یہ شمارہ قارئین کے ہاتھ میں ہوگا ـــــ تاہم محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے 'موعودہ' مضمون کو پرچے میں نہ پاکر قارئین کو اس بار پھر مایوسی کا سامنا ہوگا جس کے لئے ہم ایک بار پھر معذرت کے سوا کوئی راہ اپنے لئے نہیں پاتے کہ محترم ڈاکٹر صاحب کی ہمہ وقت مصروفیات بھی ہمارے سامنے ہیں۔ پچھلے دو ماہ کے دوران بیرونِ لاہور دعوتی و تنظیمی دوروں نے جس شدّت سے انہیں مصروف رکھا اور پھر یہ کہ چونکہ اسی عرصے میں طلبائے تنظیم اسلامی کی تشکیل کا مرحلہ طے پایا جس کے نتیجے میں طلبائے تنظیم اسلامی کا پہلا آل پاکستان کنونشن بھی منعقد ہوا، لہٰذا فرصت کا کوئی وقت میسّر ہی نہ آسکا۔ چنانچہ اسی عدیم الفرصتی کے سبب وہ اس ماہ 'میثاق' کے لئے اپنے سلسلہ وار مضمون "ذاتی و خاندانی حالات و کوائف" کی قسط بھی تحریر نہ کر پائے۔

'حکمتِ قرآن' کا آئندہ شمارہ اِن شاء اللہ العزیز علّامہ اقبال مرحوم کے حوالے سے ایک خصوصی نمبر پر مشتمل ہوگا جس میں علاوہ دیگر مضامین کے علّامہ مرحوم کے بارے میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کے وہ مقالات بھی شائع کئے جائیں گے جو انہوں نے اُن دنوں تحریر کئے تھے جب علّامہ ابھی بقیدِ حیات تھے۔ چشتی صاحب مرحوم کا علّامہ اقبال سے جو ربط و تعلق رہا اس کا یہ مظہر تو سب کے سامنے کہ وہ علّامہ کے فارسی کلام کے ایک عظیم شارح تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اور ان کی تحریر کردہ 'شروح' اقبال مرحوم پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ نومبر ۸۸ء ہی کی اشاعت میں 'اقبال اور قرآن' کے زیرِ عنوان سیّد نذیر نیازی مرحوم

کا ایک اہم مقالہ بھی شائع کیا جائے گا جو قرآن مجید کے ساتھ علامہ کے والہانہ تعلق کے بارے میں ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

قرآن کالج میں داخلوں کا اعلان گذشتہ دو ماہ سے 'حکمتِ قرآن' اور 'میثاق' کے صفحات میں کیا جا رہا ہے لیکن مقام افسوس ہے کہ تادمِ تحریر داخلے کے لئے کُل تیس درخواستیں موصول ہوئی ہیں۔ انٹرویو کی چھلنی سے گزرنے کے بعد توقع ہے کہ بیس بائیس طلبہ پر مشتمل نئی کلاس اپنے سفر کا آغاز کر دے گی۔ صورتِ حال گو بہت مایوس کُن نہیں ہے لیکن ہماری توقع کے مطابق بھی نہیں! ظاہر بات ہے کہ کم تعداد میں درخواستیں موصول ہونے کی صورت میں انتخاب (SELECTION) کا دائرہ بہت محدود ہو جاتا ہے اور کلاس میں ذہین و باصلاحیت طلبہ کی شمولیت کا امکان کم سے کم ہو جاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اراکین و متعلقین انجمن اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے خود اپنے گھروں سے اور اپنے اعزہ و احباب کے حلقے سے ایسے نوجوانوں کو جو ایف اے یا ایف ایس سی کرنے کے بعد بی اے میں داخلے کے خواہشمند ہوں، تلاش کریں اور انہیں قرآن کالج میں داخلے پر آمادہ کریں۔

اگرچہ اس سال کے لئے قرآن کالج میں داخلوں کا باب یکم اکتوبر کو بند ہو جائے گا اور اکتوبر کے پہلے ہفتے ہی میں ان شاء اللہ، تدریس کا آغاز ہو جائے گا لیکن یہ تعلیمی منصوبہ چونکہ ایک آدھ سال کے لئے نہیں ہے بلکہ اسے مستقل بنیادوں پر آگے بڑھانے کا ارادہ ہے، لہٰذا آئندہ سالوں میں داخلے کے لئے ابھی سے منصوبہ بندی کرنی ہوگی اور ابھی سے ایسے طلبہ کو ٹارگٹ بنا کر اُن کی ذہنی تیاری کا سامان کرنا ہوگا جو آئندہ سال یا مستقبل قریب میں ایف اے تک اپنی تعلیم کو مکمل کرنے والے ہوں ـــــ اس لئے کہ قرآن کالج میں داخلہ لینے والے طلبہ کم ہوں یا زیادہ، ذہین اور باصلاحیت ہوں یا اس کے برعکس، اس منصوبے پر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے مالی و افرادی وسائل کا ایک بڑا حصہ لازماً خرچ ہوگا۔ لیکن اس اہم تعلیمی منصوبے کی کامیابی اور اس سے متوقع افادے کے حصول کا بڑا دارومدار ذہین و باصلاحیت طلبہ کی ایک قابلِ ذکر تعداد کی دستیابی ہی پر ہے۔

(۲۶)

مولانا محمد تقی امینی

رسولؐ کی شان میں
زیادہ سے زیادہ ادب ملحوظ رکھنے کی تاکید

اللہ کی ہدایت سے فائدہ اٹھانے کی پہلی شرط اللہ کے رسولؐ کا دل و جان سے احترام اس کی لائی ہوئی شریعت پر اعتماد اور ان دونوں پر بیجا اعتراض سے بچنا ہے لیکن جو قومیں اپنی گری ہوئی حالت سے اٹھنا نہیں چاہتی ہیں ان کے یہاں احترام و اعتماد دونوں رخصت ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کے بے جا اعتراض کر کے اپنا دل بہلا لیتی ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہودیوں کی حالت تھی۔

احترام کے خلاف یہ بات بھی ہے کہ رسولؐ کی شان میں کوئی ایسا لفظ بولا جائے جس کے دو معنی ہوں۔ ایک اچھے ہوں اور دوسرے گستاخی کے ہوں۔ یہ گستاخی کے معنی غلط طریقہ پر بولنے سے پیدا ہوئے ہوں یا بے موقع بولنے سے پیدا ہوئے ہوں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ○

اے ایمان والو "رَاعِنَا" نہ کہا کرو "اُنْظُرْنَا" کہا کرو۔ اور توجہ سے سنا کرو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے جن لوگوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا چاہے اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے ہوں وہ نہیں پسند کرتے ہیں کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے اوپر کوئی بھی خیر و بھلائی کی بات اترے حالانکہ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے

ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑا ہی فضل والا ہے [۳]

●

[۱] " رَاعِنَا " کے معنی ہماری رعایت کیجئے " اُنْظُرْنَا " کے معنی ہماری طرف توجہ دیجئے۔ یہ دونوں لفظ ایسے موقع پر بولے جاتے ہیں جب اپنی طرف کسی کو متوجہ کرنا ہوتا ہے۔ " رَاعِنَا " کے " عین " کو ذرا دبا کر کہا جائے تو " رَاعِیْنَا " ہو جاتا ہے جس کے معنی ہمارے چرواہے کے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودی بغض و حسد کی وجہ سے یہی لفظ (راعینا) آپؐ کے لئے استعمال کرکے اپنے دل کی بھڑاس نکالتے تھے۔ شرپسند طبیعتیں جن کے دلوں میں سامنے والے شخص کا ادب واحترام نہیں ہوتا ہے وہ ایسے ہی الفاظ استعمال کرکے خوش ہوتی ہیں جن میں اچھے اور برے دونوں معنی نکلتے ہوں۔ آیت میں ادب واحترام کے موقع پر ایسے الفاظ استعمال کرنے سے روکا گیا ہے اور ان الفاظ کو استعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے جن میں بے ادبی وگستاخی کا وہم بھی نہ پایا جائے۔ دیکھنے میں تو یہ معمولی بات ہے لیکن اس سے اندرونی شر کا پتہ چلتا ہے۔ سوسائٹی کی اصلاح کرنے میں اس شر کو نکالنا ضروری ہے۔

[۲] یہ بغض وحسد کی اندرونی بیماری کی طرف اشارہ ہے۔ ایسی چھوٹی حرکتیں لوگ اس وقت کرتے ہیں جب بغض وحسد میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور کسی کی ترقی وسربلندی دیکھی نہیں جاتی۔ یہودی اپنے آپ کو ترقی وسربلندی کا جاگیردار سمجھتے تھے۔ جب رسول اللہ صلعم کو نبوت ملی اور ترقی وسربلندی حاصل ہوئی تو آپؐ سے حسد کرنے لگے اور دل میں آپ کے خلاف بغض رکھنے لگے۔ جس کا اثر بات چیت میں بھی ظاہر ہو کر رہتا تھا۔

[۳] یہ اللہ کی طرف سے جواب ہے کہ نبوت وپیشوائی اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے کسی کی جاگیر نہیں ہے کہ وہ اس کا دعویدار بن کر کھڑا ہو جائے۔ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے نوازے جانے کا کیا قانون ہے؟ اس کا علم ہمارے قابو سے باہر ہے۔ جہاں اللہ کی مرضی ومشیت (اللہ کے چاہنے) کا ذکر ہے اس میں دراصل اسی قانون کی طرف اشارہ ہے جس تک ہماری پہونچ نہیں ہے۔ " آزمائش " میں پورا اترنے کے بعد جو کچھ ملتا ہے اس سے اندازہ

ہوتا ہے کہ "آزمائش" کو بھی فضل و رحمت میں دخل ہے جیسا کہ نبیوں اور رسولوں کی زندگی سے ظاہر ہوتا ہے۔ مذکورہ آیت میں اللہ نے فضل و رحمت کو بیان کرنے کا جو انداز اختیار کیا ہے اس سے دو باتیں کھلی ہوئی ہیں۔

(۱) جس پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہو اس سے بغض و حسد کرنا اللہ کی مشیت میں دخل دینا ہے۔ اس بنا پر اللہ اس طور سے کچل دیا جاتا ہے۔

(۲) جس پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہو اس کا کبر و غرور میں مبتلا ہونا اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ اس کا معاملہ دوسروں سے مختلف ہے۔ اس بنا پر اس کی پکڑ بھی سخت ہوتی اور سزا بھی بہت سخت ہوتی ہے۔

شریعت میں تبدیلی یا حکم کی یاد دہانی بہتری اور ترقی کے لئے ہوتی رہی ہے

شریعت زندگی کے دستور العمل یا زندگی گذارنے کے طور طریقہ کا نام ہے جس کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ اس کا تعلق پوری زندگی اور اس کے حکم و احکام سے ہے اور اسی وقت سے ہے جب سے انسان اس دنیا میں ہے۔ پہلے انسان کی ضرورتیں کم تھیں اس لحاظ سے شریعت کے حکم و احکام بھی کم تھے۔ بعد میں جیسی جیسی ضرورتیں بڑھتی گئیں شریعت کے حکم و احکام میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔

پھر ایسا بھی ہوتا رہا کہ جب پہلے کی شریعت کے بعض احکام پر عمل کرنا مفید نہ رہا جس کی وجہ سے ان میں تبدیلی کی ضرورت ہوئی یا ان میں بعض بھلا دیئے گئے اور ان پر عمل درآمد نہ باقی رہا تو اللہ کی طرف سے پہلی صورت میں تبدیلی اور دوسری صورت میں یاد دہانی کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اور یہ اس وقت تک رہا جب تک اللہ کے رسولؐ آتے رہنے کا وقت نہیں پورا ہوا۔ آیت میں اسی تبدیلی اور یاد دہانی کا ذکر ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ○

"ہم جس کسی آیت (حکم) کو منسوخ کر دیتے ہیں یا اس کو بھلا دیتے ہیں تو (اس کی جگہ) اس سے بہتر یا اس کے برابر لاتے ہیں[1]۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی حکومت ہے اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار ہے[2]۔"

●

[1] کسی حکم کو منسوخ کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں پہلے جیسا فائدہ باقی نہ رہا ہو۔ جس کی وجہ سے اس پر عمل کرنے کی مدت ختم ہو گئی ہو اور کسی حکم کو بھلا دینے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اس کو بھول گئے ہوں اور اس کی اصلیت لوگوں کے پاس باقی نہ رہی ہو۔

پہلی صورت اس وقت پیش آتی ہے جب پہلے جیسے حالات نہ رہ گئے ہوں مرض اور مریض دونوں میں تبدیلی آگئی ہو۔ تو لازمی طور سے پہلے جو نسخہ تجویز کیا گیا تھا اس کی کچھ دواؤں میں تبدیلی کرنی پڑے گی اور یہی بعض دواؤں کی جگہ ان سے بہتر دوائیں تجویز کرنی ہوں گی تاکہ مرض دور ہونے میں دیر نہ لگے اور صحت کی بحالی میں ترقی ہو۔

دوسری صورت اس وقت پیش آتی ہے جب پہلے حکم پر زیادہ زمانہ گزر گیا ہو اور اس کی اصلی شکل لوگوں میں نہ موجود ہو۔ دونوں صورتوں (چاہے حکم کی تبدیلی ہو یا بھولے ہوئے حکم کی یاد دہانی ہو) میں بات آگے ہی کی طرف بڑھتی ہے پیچھے کی طرف نہیں لوٹتی ہے۔ حکم کی جگہ پہلے سے بہتر حکم آتا ہے اور بھولے ہوئے حکم کی یاد دہانی سے زندگی میں بیداری اور تر و تازگی پیدا ہوتی ہے۔ دوسری چیزوں کی طرح شریعت میں بھی ترقی ہوتی رہی اور رفتہ رفتہ اس کو اس درجہ تک پہونچایا گیا جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی ہے۔

آیت میں جس قدر نسخ و نسیاں (تبدیلی اور بھلانے کے بعد یاد دہانی) کا ذکر ہے ان سب

کا تعلق پہلی شریعتوں سے ہے۔ بیان کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے اس میں نہ صرف یہ کہ پہلی شریعتوں کی تاریخ آگئی ہے بلکہ حالات کے لحاظ سے ان میں جو ترقی ہوتی رہی اس کا بھی ذکر آگیا ہے ــــ جو سوچنے سمجھنے والوں کو بہت کچھ دے رہا ہے۔

ؔ یہ یہودیوں اور تمام ان لوگوں کے حسد وجلن کا جواب ہے جو اللہ کے فضل یا اس کی کسی بھی نعمت کو اپنے لئے خاص کرنا چاہتے ہیں کسی اور میں دیکھنا ان کو گوارہ نہیں ہوتا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کو ہر بات پر قدرت ہے جس کو جو چاہے دے اور جس سے جو چاہے لے زمین و آسمان میں اسی کی حکمرانی و فرمانروائی ہے وہی بہتر جانتا ہے کہ اب کس کو کیا دینا ہے اور کس سے کیا لینا ہے۔ اور کب تک کس کے پاس کیا رکھنا اور کب کس سے کیا واپس لینا ہے۔ یہ حاکمانہ جواب ہے جس کی ضرورت ہر ایسے موقع پر ہوتی ہے جب کوئی شخص اللہ کا فضل اور اس کی نعمت کسی کو دیئے جانے پر اعتراض کرتا ہے اور کسی دلیل سے خاموش نہیں ہوتا ہے۔ (جاری ہے)

بقیہ : تبصرۂ کتب

ایڈیشن میں صحت کا زیادہ اہتمام کیا جائے گا۔ اسی طرح اعلام کے انگریزی ضبط کی بعض معمولی اغلاط تصحیح طلب ہیں (مثلاً کحالہ کو ایک جگہ 'KAHALA' مگر دوسری جگہ 'KHALA' لکھنا)، بعض حوالوں میں کسی کثیر التصانیف مؤلف کا نام دیا ہے مگر یہ بیان نہیں کیا کہ یہ حوالہ ان کی کس کتاب کا ہے۔ مثلاً ابن کثیر یا ابن حجر کے معاملے میں ایک آدھ جگہ ایسا ہوا ہے۔ (مثلاً ص۱۴۸)۔

بعض جگہ بحث کے دوران یا حواشی میں اصل عربی عبارات بھی دی گئی ہیں (مثلاً ص۱۰، ۱۴۱، ۲۰۵)۔ اگر تمام دس احادیث کے اصل متن ــــ اسناد کے بغیر ہی ــــ بھی عربی میں دیئے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔

بہر حال مجموعی طور پر یہ کتاب اہل علم کے ــــ خصوصاً علوم اسلامیہ کے ماہرین اور فن الرجال سے دلچسپی رکھنے والوں کے ــــ مطالعہ اور توجہ کی مستحق ہے۔ کیونکہ یہ کتاب "فن نقد الحدیث" کے (علمی بنیادوں پر) علمی احیاء کی ایک مستحسن کوشش ہے۔

نشری تقریر

ڈاکٹر اسرار احمد

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

یہ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۳۹ ہے اور اس کا ترجمہ یہ ہے :

("اے مسلمانو!) نہ پست ہمت ہو نہ غمگین، اگر تم مومن ہو تو یقیناً تم ہی غالب رہو گے!"

یہ الفاظِ مبارکہ اُس مفصّل خطاب کے دوران وارد ہوئے ہیں جو سورۂ آلِ عمران میں آیت ۱۲۱ سے آیت ۱۸۰ تک پھیلا ہوا ہے اور جس میں غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات اور اس کے فوراً بعد کے مترتّب ہونے والے اثرات اور اُن سے پیدا شدہ مسائل و معاملات پر تفصیلی تبصرہ بھی ہے اور مسلمانوں کو آئندہ کے لئے واضح ہدایات بھی دی گئی ہیں۔

غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو فتح مبین اپنے خاص فضل و کرم اور خصوصی نصرت و تائید سے عطا فرمائی تھی اور یوم بدر کو جس طرح حق و باطل کے مابین امتیاز کرنے والا "یوم الفرقان" بنا دیا تھا، اس کے نتیجے میں واقعہ یہ ہے کہ پورا ایک سال مسلمانوں کے لئے امن و سکون ہی نہیں فتح کے کیف و سرور کے عالم میں گذرا جس سے نہ صرف یہ کہ مستقبل کے لئے امّید اور اعتماد کی فضا پیدا ہوئی۔ بلکہ بعض لوگوں نے تو یہ سمجھا کہ بس اب آخری فتح اور غلبۂ کامل بالکل قریب ہے۔ اس "مدّ" کے عالم میں غزوۂ اُحد ایک فوری "جذر" کی کیفیت لئے ہوئے آیا۔ بدر میں ستّر کفّارِ قریش ہلاک ہوئے تھے، جن میں ابوجہل اور عتبہ بن ربیعہ ایسے سردار بھی شامل تھے تو اُحد میں ستّر ہی صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جامِ شہادت

کا تعلق پہلی شریعتوں سے ہے۔ بیان کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے اس میں نہ صرف یہ کہ پہلی شریعتوں کی تاریخ آگئی ہے بلکہ حالات کے لحاظ سے ان میں جو ترقی ہوتی رہی اس کا بھی ذکر آگیا ہے — جو سوچنے سمجھنے والوں کو بہت کچھ دے رہا ہے۔

۲؎ یہ یہودیوں اور تمام ان لوگوں کے حسد و جلن کا جواب ہے جو اللہ کے فضل یا اس کی کسی بھی نعمت کو اپنے لئے خاص کرنا چاہتے ہیں کسی اور میں دیکھنا ان کو گوارہ نہیں ہوتا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کو ہر بات پر قدرت ہے جس کو جو چاہے دے اور جس سے جو چاہے لے زمین و آسمان میں اسی کی حکمرانی و فرمانروائی ہے وہی بہتر جانتا ہے کہ اب کس کو کیا دینا ہے اور کس سے کیا لینا ہے۔ اور کب تک کس کے پاس کیا رکھنا اور کب کس سے کیا واپس لینا ہے۔ یہ حاکمانہ جواب ہے جس کی ضرورت ہر ایسے موقع پر ہوتی ہے جب کوئی شخص اللہ کا فضل اور اس کی نعمت کسی کو دیئے جانے پر اعتراض کرتا ہے اور کسی دلیل سے خاموش نہیں ہوتا ہے۔ (جاری ہے)

بقیہ: تبصرۂ کتب

ایڈیشن میں صحت کا زیادہ اہتمام کیا جائے گا۔ اسی طرح اعلام کے انگریزی ضبط کی بعض معمولی اغلاط تصحیح طلب ہیں (مثلاً کحالہ کو ایک جگہ 'KAHALA' مگر دوسری جگہ 'KHALA' لکھنا)۔ بعض حوالوں میں کسی کثیر التصانیف مؤلف کا نام دیا ہے مگر یہ بیان نہیں کیا کہ یہ حوالہ ان کی کس کتاب کا ہے۔ مثلاً ابن کثیر یا ابن حجر کے معاملے میں ایک آدھ جگہ ایسا ہوا ہے۔ (مثلاً ص ۱۴۸)۔

بعض جگہ بحث کے دوران یا حواشی میں اصل عربی عبارات بھی دی گئی ہیں (مثلاً ص ۱۰۴، ۱۴۱، ۲۰۵)۔ اگر تمام دس احادیث کے اصل متن — اسناد کے بغیر ہی — بھی عربی میں دیئے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔

بہرحال مجموعی طور پر یہ کتاب اہل علم کے — خصوصاً علوم اسلامیہ کے ماہرین اور فن الرجال سے دلچسپی رکھنے والوں کے — مطالعہ اور توجہ کی مستحق ہے۔ کیونکہ یہ کتاب "فن نقد الحدیث" کے (علمی بنیادوں پر) عملی احیاء کی ایک مستحسن کوشش ہے۔

نشری تقریر

ڈاکٹر اسرار احمد

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

یہ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۳۹ ہے اور اس کا ترجمہ یہ ہے :

("اے مسلمانو!) نہ پست ہمت ہو نہ غمگین، اگر تم مومن ہو تو یقیناً تم ہی غالب رہو گے!"

یہ الفاظِ مبارکہ اُس مفصّل خطاب کے دوران وارد ہوئے ہیں جو سورۂ آلِ عمران میں آیت ۱۲۱ سے آیت ۱۸۰ تک پھیلا ہوا ہے اور جس میں غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات اور اس کے فوراً بعد کے مترتّب ہونے والے اثرات اور اُن سے پیدا شدہ مسائل و معاملات پر تفصیلی تبصرہ بھی ہے اور مسلمانوں کو آئندہ کے لئے واضح ہدایات بھی دی گئی ہیں۔

غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو فتح مبین اپنے خاص فضل و کرم اور خصوصی نصرت و تائید سے عطا فرمائی تھی اور یوم بدر کو جس طرح حق و باطل کے مابین امتیاز کرنے والا "یوم الفرقان" بنا دیا تھا، اس کے نتیجے میں واقعہ یہ ہے کہ پورا ایک سال مسلمانوں کے لئے امن و سکون ہی نہیں فتح کے کیف و سرور کے عالم میں گذرا جس سے نہ صرف یہ کہ مستقبل کے لئے امّید اور اعتماد کی فضا پیدا ہوئی۔ بلکہ بعض لوگوں نے تو یہ سمجھا کہ بس اب آخری فتح اور غلبۂ کامل بالکل قریب ہے۔ اس "مدّ" کے عالم میں غزوۂ اُحد ایک فوری "جذر" کی کیفیت لئے ہوئے آیا۔ بدر میں ستّر کفّارِ قریش ہلاک ہوئے تھے، جن میں ابوجہل اور عتبہ بن ربیعہ ایسے سردار بھی شامل تھے تو اُحد میں ستّر ہی صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جامِ شہادت

نوش فرمایا۔ جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے "اسد اللہ و اسد رسولہ" بھی شامل تھے اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے قرآن کے قاری و مُقری بھی۔ گویا جواب پورا بھرپور تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگلی ہی آیت میں مسلمانوں کی دلجوئی فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ

یعنی "اے مسلمانو! اگر آج تمھیں کوئی چرکا لگا ہے تو تمھارے دشمنوں کو بھی تو بالکل ایسا ہی چرکا لگ چکا ہے!"

بلکہ ایک دوسرا پہلو نسبتاً زیادہ تکلیف دہ یہ تھا کہ بدر میں تو مسلمانوں نے مدینہ سے اتنی میل دُور جا کر قریش کو شکست فاش دی تھی، اور اُحد میں دشمنوں نے انہیں عین گھر پر آ کر کاری زخم لگایا۔ نتیجۃً مسلمانوں کو یکدم اپنے پاؤں تلے سے زمین کھسکتی محسوس ہوئی اور مسلمانوں کی جو دھاک غزوۂ بدر کی وجہ سے بیٹھ گئی تھی اور جو رعب داب قائم ہو گیا تھا، وہ دفعتہً ختم ہوتا محسوس ہوا، جس کے نتیجے میں بددلی اور دل شکستگی کی ایک عام فضا پیدا ہو گئی اور کچھ ضعیف الایمان لوگوں کے دلوں میں تو شدید مایوسی نے ڈیرا ڈال لیا۔ اس پس منظر میں یہ عظیم آیتِ مبارکہ مسلمانوں کے لئے ایک نوید جانفزا بن کر نازل ہوئی کہ اے مسلمانو! اس عارضی اور وقتی صورت حال سے نہ پست ہمت ہو نہ غمگین، اہل ایمان کے ابتلاء و آزمائش ـــــ اور جانچ پرکھ کے لئے دنوں کا اُلٹ پھیر اور حالات کی اُونچ نیچ میں بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمتیں مضمر ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ عارضی ہوتا ہے ـــ اللہ کا مستقل وعدہ اپنے اہل ایمان بندوں سے یہی ہے کہ:

اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝

کہ یقیناً آخری فتح تمھاری ہی ہو گی ـــ اور غالب تم ہی رہو گے بشرطیکہ تم ایمان پر ثابت قدم رہے ـــ اور یقین کا دامن تم نے ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ گویا بقول علامہ اقبال ؎

تُندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب ؛ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

اِس اعتبار سے واقعہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کی یہ آیتِ محکم اہلِ ایمان کے حق میں ابدالآباد تک کے لئے اُمّید کا ایک پیغام اور فتح و نصرت کی ایک نوید جانفزا ہے۔ خالقِ کائنات اور شہنشاہِ ارض و سمٰوٰت کے اس پختہ وعدے سے بڑھ کر اُمّید افزا، اور مسرت بخش چیز اور کون سی ہو سکتی ہے۔ اگرچہ یہ واضح رہنا چاہیئے کہ یہ وعدہ غیر مشروط

نہیں ہے، بلکہ جس طرح بندے اور ربّ کے مابین تمام معاملات دو طرفہ ہیں جیسے نصرت وتائید کہ: "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ"۔ (اگر تم اللّٰہ کی مدد کروگے تو اللّٰہ بھی تمھاری مدد کرے گا، اور تمھارے قدموں کو جما دے گا!) ــــ یا یاد اور ذکر کہ: "فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ"! (پس تم مجھے یاد رکھو، میں تمھیں یاد رکھوں گا) یا جیسے توبہ کا معاملہ ہے کہ بندہ توبہ کرتا ہے گناہ اور معصیت کو ترک کرکے طاعت اور فرمانبرداری کی جانب پلٹے کہ اور اللّٰہ بھی توّاب ہے یعنی فوراً اپنی عنایتوں اور شفقتوں کے ساتھ متوجّہ ہوجاتا ہے بندے کی جانب ــــ یا جیسے شکر کہ بندہ بھی شکر کرتا ہے اللّٰہ کا احسان مان کر، اور اللّٰہ بھی شکور ہے یعنی بندوں کی قدر افزائی فرماتا ہے!۔ اسی طرح کا معاملہ اس وعدے کا بھی ہے کہ مسلمان ہی دُنیا میں سربلند ہوں گے۔ بشرطیکہ وہ واقعۃً مومن ہوں ــ اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم اپنی موجودہ حالت پر نظر ڈالیں اور اس سوال کا جواب حاصل کرنا چاہیں کہ ؎

"ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند ؛ گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!"

تو وہ اسی آیۂ کریمہ میں موجود ہے ــ اور اگر اس کی روشنی میں ہم جائزہ لیں اور ذرا غیر جانبداری اور انصاف پسندی کے ساتھ اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور اپنے گریبان میں جھانکیں تو صاف نظر آجائے گا کہ اُمّتِ مسلمہ کی ایک عظیم اکثریّت کے قلوب و اذہان نورِ ایمان سے محروم ہوچکے ہیں ــــ اور مغرب سے اٹھنے والی مادّہ پرستانہ الحاد کی آندھیوں نے عالمِ اسلام کے اکثر و بیشتر حصّے میں ایمان و یقین کے ٹمٹماتے ہوئے چراغوں کو بالکل گل کرکے رکھ دیا ہے۔ علّامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ؎

"بندۂ مومن و بے ذوقِ طلب ؛ العجب، ثمّ العجب، ثمّ العجب!"

"رفت سوزِ سینۂ تاتار و کُرد ؛ یا مسلماں مُرد یا قرآں بمُرد"

کیسے ممکن ہے کہ ایمان ہو اور انسان میں نہ ذوقِ طلب ہو نہ جوشِ عمل، نہ جذبۂ جہاد! واقعہ یہ ہے کہ اگر دو اور دو مل کر چار ہی ہوتے ہیں نہ کبھی تین ہوسکتے ہیں نہ پانچ، تو یہ بھی ناممکن ہے کہ دلوں میں ایمان موجود ہو اور پھر بھی مایوسی کے بادل چھاجائیں اور خوف اور حُزن کے گھٹا ٹوپ اندھیرے انسانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیں۔

ذرا غور کیا جائے تو ایمان کا لفظ تو بنا ہی امن کے مادّے سے ہے، اور اس کا

اصل حاصل تو ہے ہی امن و سکون اور اطمینانِ قلبی کی کیفیت جس میں نہ خوف کی آمیزش باقی رہے نہ حزن کی بقحوائے الفاظِ قرآنی :

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥

آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے دوستوں کے لئے نہ کوئی خوف ہے — اور نہ کوئی غم ان کے نزدیک پھٹک سکتا ہے ! — دُنیا کے بدلتے ہوئے حالات ، عارضی شکست و ہزیمت یا جانی و مالی نقصان کے بارے میں اہلِ ایمان کا نقطۂ نظر سورۂ توبہ کی اس آیۂ مبارکہ میں بڑی خوبصورتی سے وارد ہوا ہے کہ ——

هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ٥

یعنی اے کافرو ! اور منافقو ! تم ہمارے بارے میں دو انتہائی اعلیٰ اور عمدہ صورتوں کے سوائے آخر تیسری کون سی صورت کی آس لگا رہے ہو ؟ اگر ہم سب اللہ کی راہ میں جہاد اور قتال کرتے ہوئے کام آجائیں اور جامِ شہادت نوش کر لیں تو ہمارے نزدیک تو اس سے بڑی کامیابی اور کوئی ہے ہی نہیں — اور اگر ہم غازی بن کر لوٹے اور دُنیوی فتح و کامرانی نے بھی ہمارے قدم چوم لئے تب تو تمھارے معیارات کے مطابق بھی ہم کامیاب شمار ہوں گے ۔ اب تم سوچو کہ وہ کون سی تیسری صورت ہے جس کا تم ہمیں ڈر دلا رہے ہو ؟ —— !!

زیرِ درس آیۂ مبارکہ کا پہلا لفظ خصوصی توجّہ کا مستحق ہے ۔ یعنی "لَا تَهِنُوْا" اس کا مادّہ "وَھَن" ہے ۔ وھن عربی زبان میں ضعف کو کہتے ہیں ۔ عام اس سے کہ یہ ضعف ظاہری اور عملی ہو یا معنوی و باطنی — اور فی الواقع ان میں کوئی فرق ہے بھی نہیں اس لئے کہ اندر کی کمزوری ہی ظاہری کمزوری کا سبب بنتی ہے اور ہمتوں اور ارادوں کی پستی ہی انسان کے جوشِ عمل اور جذبۂ جہاد کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے ۔ اب ذرا غور کیا جائے تو کسی مسلمان میں ہمّت کی پستی اور ارادے کا ڈھیلا پن صرف ایک سبب سے پیدا ہو سکتا ہے اور وہ ہے آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے الفاظِ مبارکہ کی رُو سے : "حُبّ الدّنیا وکراھیة الموت" ! — یعنی دُنیا کی محبّت اور موت کا خوف ! — اور یہ دونوں چیزیں براہِ راست نتیجہ ہیں ایمان کے ضعف کا ۔ اگر اللہ پر ایمان حقیقی معنوں میں موجود ہو تو اس کا لازمی نتیجہ ہے اس تعالیٰ کی محبّت ، اور ظاہر ہے کہ محبوب سے

ملاقات کا اشتیاق ہوتا ہے نہ کہ دُوری یا ہجر کا۔ نتیجۃً مومن کے لئے موت خوش آئند ہونی چاہیئے اور حیاتِ دنیوی کا طول ناپسندیدہ، بموجب فرمانِ نبوی ؐ "الدّنیا سجن المومن وجنّۃ الکافر!" (یعنی دُنیا مومن کے لئے قیدخانہ کے مانند ہے اور کافر کے لئے جنّت!) اور بقول علّامہ اقبال مرحوم ؎

"نشانِ مردِ مومن با تو گویم ٭ چوں مرگ آید تبسّم بر لب اوست!"

اسی طرح اگر آخرت پر حقیقی یقین ہو اور انسان کا دل گواہی دے کہ وہ اللہ کے عفو و درگذر اور فضل و کرم سے جنّت میں داخل کیا جائے گا تو کیا حیاتِ دُنیوی کا ایک ایک لمحہ اس پر شاق نہ گذرے گا۔ گویا ایمان کی کمزوری کا نتیجہ ہے حبّ الدّنیا و کراہیۃ الموت۔ اور اس کا حاصل ہے ہمّت کی پستی اور جوشِ عمل اور جذبۂ جہاد کا فقدان ــــ یعنی وھن!

آخر میں اس حدیث شریف کا ذکر مناسب ہے گا جس میں وھن کی یہ شرح وارد ہوئی ہے۔ ایک بار آنحضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ: "اے مسلمانو! ایک وقت آئے گا کہ اقوامِ عالم تم پر ایک دوسرے کو دعوت دیں گی جیسے دسترخوان چُنے جانے کے بعد دعوت کھلانے والی مہمانوں کو بُلایا کرتی ہے!" ــــ یعنی تم اقوامِ عالم کے لئے لقمۂ تر بن جاؤ گے۔ اس پر صحابہؓ نے عرض کیا کہ: "حضور! کیا ان دنوں ہماری تعداد بہت کم ہو جائے گی؟" ــ آپؐ نے فرمایا: "نہیں تمھاری تعداد بہت ہو گی لیکن تمھاری حیثیت سیلاب کے اوپر کے جھاگ اور خس و خاشاک کی سی ہو کر رہ جائے گی!" ــ مزید استفسار پر آپؐ نے فرمایا: "یہ اس لئے ہو گا کہ تمھارے اندر 'وھن' پیدا ہو جائے گا!" ــ اور پھر اس سوال کے جواب میں کہ: حضور! یہ 'وھن' کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "حبّ الدّنیا و کراھیۃ الموت!" ــــ یہ حدیث مبارک کہ دورِ حاضر کے مسلمانوں کے لئے ایک لمحۂ فکریہ ہے ــــ اور اس میں ہماری پوری موجود الوقت صورتِ حال کی تصویر بھی موجود ہے، اور اس کے اسباب کی مکمّل تشخیص بھی!

اللہ تعالےٰ ہمیں اس 'وھن' کی دلدل سے نکلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

ملاقات کا اشتیاق ہوتا ہے نہ کہ دُوری یا ہجر کا۔ نتیجۃً مومن کے لئے موت خوش آئند ہونی چاہیئے اور حیاتِ دنیوی کا طول ناپسندیدہ، بموجب فرمانِ نبوی: "الدّنیا سجن المومن وجنّۃ الکافر!" (یعنی دُنیا مومن کے لئے قیدخانہ کے مانند ہے اور کافر کے لئے جنّت!) اور بقول علّامہ اقبالؔ مرحوم ؎

"نشانِ مردِ مومن با تو گویم ٭ چوں مرگ آید تبسّم بر لب اوست!"

اسی طرح اگر آخرت پر حقیقی یقین ہو اور انسان کا دل گواہی دے کہ وہ اللہ کے عفو و درگذر اور فضل و کرم سے جنّت میں داخل کیا جائے گا تو کیا حیاتِ دُنیوی کا ایک ایک لمحہ اس پر شاق نہ گذرے گا۔ گویا ایمان کی کمزوری کا نتیجہ ہے حبّ الدّنیا و کراہیۃ الموت ۔ اور اس کا حاصل ہے ہمّت کی پستی اور جوشِ عمل اور جذبۂ جہاد کا فقدان ـــ یعنی وھن!

آخر میں اس حدیث شریف کا ذکر مناسب رہے گا جس میں وھن کی یہ شرح وارد ہوئی ہے۔ ایک بار آنحضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ: "اے مسلمانو! ایک وقت آئے گا کہ اقوامِ عالم تم پر ایک دوسرے کو دعوت دیں گی جیسے دسترخوان چُنے جانے کے بعد دعوت کھلانے والی مہمانوں کو بُلایا کرتی ہے!" ـــ یعنی تم اقوامِ عالم کے لئے لقمۂ تر بن جاؤ گے۔ اس پر صحابہؓ نے عرض کیا کہ: "حضور! کیا ان دنوں ہماری تعداد بہت کم ہو جائے گی؟" ـــ آپؐ نے فرمایا: "نہیں تمھاری تعداد بہت ہوگی لیکن تمھاری حیثیت سیلاب کے اوپر کے جھاگ اور خس و خاشاک کی سی ہو کر رہ جائے گی!" ـــ مزید استفسار پر آپؐ نے فرمایا: "یہ اس لئے ہوگا کہ تمھارے اندر 'وھن' پیدا ہو جائے گا!" ـــ اور پھر اس سوال کے جواب میں کہ: حضور! یہ 'وھن' کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "حبّ الدّنیا و کراھیۃ الموت!" ـــ یہ حدیث مبارک کہ دورِ حاضر کے مسلمانوں کے لئے ایک لمحۂ فکریہ ہے ـــ اور اس میں ہماری پوری موجود الوقت صورتِ حال کی تصویر بھی موجود ہے، اور اس کے اسباب کی مکمّل تشخیص بھی!

اللہ تعالےٰ ہمیں اس 'وھن' کی دلدل سے نکلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

حسنِ انتخاب

تفسیرِ قرآن سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

درج ذیل سطور مولانا اخلاق حسین قاسمی کی تالیف 'محاسن موضح القرآن' سے ماخوذ ہیں۔ اس کتاب پر تبصرہ ماہ اگست ۸۲ء کے 'حکمتِ قرآن' میں شائع کیا گیا تھا۔ ان سطور میں فاضل مصنف نے مولانا مناظر احسن گیلانی کے حوالے سے تفسیرِ قرآن کے موضوع پر حضرت مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ کی تحقیق کو نقل کیا ہے۔ جسے قارئین 'حکمتِ قرآن' کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔ ادارہ

قرآن کریم کی تفسیر کے سلسلہ میں روایات و آثار کا جو ذخیرہ متاخرین علما کے ہاتھوں میں پہنچا ہے اس کا زیادہ تر حصہ غیر مستند ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کریم کی سب سے زیادہ معتبر اور صحیح تفسیر وہی ہو سکتی ہے جو آپؐ سے براہِ راست علم حاصل کرنے والے حضرات صحابہ کرام سے روایت کی گئی ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تفسیرِ قرآن کے لئے حدیث و اثر کے نام سے ہر قسم کی جعلی اور موضوع باتوں کو تسلیم کر لیا جائے۔

علامہ سیوطی نے اتقان میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے

قال احمد ثلاثة کتب لیس	تین کتابیں حدیث کی ایسی ہیں جن کی اصل
لها اصل التفسیر والملاحم	نہیں تفسیری روایتیں، پیش گوئیوں اور
والمغازی (ج ۲، ص ۵۳۸)	غزوات سے متعلق واقعات و اقوال

پھر سیوطی نے اپنی رائے ان لفظوں میں دی ہے:

اصل المرفوع منه فی غایة	ایسی روایات جو براہِ راست حضور اکرم
القلة (ج ۲، ص۸۲۱)	صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ منقول
	ہوں تفسیر کے سلسلہ میں بہت کم ہیں۔

روایات کے بعد آثارِ صحابہ کا درجہ ہے اور ان میں خاص طور پر حضرت ابن عباسؓ کے اقوال زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے متعلق سیوطی محققین علماء کا فیصلہ نقل کرتے ہیں:۔

وھذہ التفاسیر الطوال التی	یہ لمبی لمبی تفسیری روایتیں جو ابن عباس
اسندوھا الی ابن عباس غیر	کی طرف منسوب ہیں سب غیر پسندیدہ ہیں
مرضیة و رواتھا مجاھیل	سند کے لحاظ سے اور ان کے راوی
(ص۵۵۳)	مجہول اور نامعلوم اشخاص ہیں۔

امام شافعیؒ نے جب اقوال ابن عباسؓ پر تحقیقی اور تنقیدی نظر ڈالی تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے:۔

لم یثبت عن ابن عباس فی التفسیر	تقریباً سو روایتوں کے سوا حضرت ابن عباسؓ
الاشبہ مائة حدیث (ص۵۵)	کی طرف منسوب اقوال صحیح ثابت نہیں ہوسکے

اس مسئلہ کی وضاحت مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب نے حضرت مولانا سید محمد انور صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"احادیث کے سب سے معتبر اور صحیح مجموعے بخاری شریف میں تفسیری روایات کا حصہ دوسری قسم کی احادیث کے مقابلہ میں بہت کم ہے اور اس میں بھی امام بخاری رح نے منقول روایات سے زیادہ قرآن کریم کی لغوی تشریح پر زیادہ توجہ دی ہے۔

اس تشریح کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شارح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام نے اس تشریح میں ابو عبید معمر ابن المثنیٰ کی کتاب "مجاز القرآن" پر زیادہ بھروسہ کیا ہے۔

اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق یہ تھی کہ:

"لم یعرج الی النقد اصلا"

امام بخاریؒ نے معمر کے اقوال تنقید کے بغیر اپنی کتاب میں نقل کر دیئے ہیں، اسی لئے ابن المثنیٰ کی کتاب میں جو نقص پائے جاتے ہیں وہ کوتاہیاں صحیح بخاری میں کتاب التفسیر میں باقی رہ گئی ہیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، بخاری میں جو تفسیری اقوال پائے جاتے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ محض ان کے ناقل ہیں، یہ سمجھنا غلط ہے کہ امام بخاریؒ کا فیصلہ بھی یہی ہے (ص۱۲۲، حیات انور بحوالہ فیض الباری)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیصلہ تھا کہ تفسیر قرآن کے بارے میں نہ یہ مسلک صحیح ہے کہ جب تک کسی آیت کی تفسیر کے لئے کوئی روایت نہ ہو وہ صحیح تفسیر نہیں اور نہ یہ آزاد روی درست ہے کہ سلف صالحین کے مستند خیالات اور لغتِ عربی اور سیاق وسباق قرآنی سے بالکل بے نیاز ہو کر قرآن کریم کی من مانی تشریح کی جائے، بلکہ تفسیر کے صحیح طریقہ کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

من حجر علی العلماء ان لایبرزوا	علماء کو اس بات سے کس نے روکا ہے
معانی الکتب بعد الامعان فی	کہ وہ کتاب الٰہی کے مطالب بیان کریں
السباق والنظر الی حقائق الالفاظ	اس طرح کہ ان کے سامنے سیاق وسباق
المراعیۃ لعقائد السلف	ہو، الفاظ قرآنی کے حقائق (لغوی یعنی

اور مرادی مفہوم) ہو اور ساتھ ہی سلف صالحین کے مسلّمہ تصورات وعقائد کی رعایت ملحوظ رہے۔

اس کے بعد شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

بل ذلک حظھم من الکتب فانھم	بلکہ کتاب الٰہی میں علماء کا درحقیقت
ھم الذین ینظرون فی عجائبہ	یہی حصہ ہے کہ وہ اس کتاب کے نئے
ویکشفون الاستار عن وجوہ دقائقہ	نئے پہلوؤں پر غور کرتے ہیں اور اس
ویرفعون الحجب عن خبئات حقائقہ	کے پوشیدہ اسرار سے نقاب الٹتے ہیں
فھذا النوع من التفسیر بالرای	جو باتیں چھپی ہوئی ہیں انہیں باہر لاتے
حظ اولی العلم ونصیب العلماء	ہیں۔ اگر یہی تفسیر بالرائے ہے تو اہل علم
المستنبطین	کا حقیقت میں یہی حصہ ہے اور کتاب

الٰہی سے مسائل کا استخراج کرنے والے علماء کی یہی غذا ہے۔

راقم نے تمہیدی طور پر یہ چند باتیں اس لئے بیان کی ہیں کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

★

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور تخلیق

تخلیقِ کائنات کا سبب

تخلیقِ کائنات کا باعث خودی کا مرکزی وصف محبت ہے جس کی طرف اقبال بار بار زوردار الفاظ میں توجہ دلاتا ہے۔ خودی ہمہ تن محبت ہے اور اس کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک نصب العینی حسن کے محبوب کی محبت کا جذبہ محسوس کرتی ہے۔ اس سے شدید محبت کرتی ہے اور ہر قسم کی ممکن رکاوٹوں اور مزاحمتوں کو راستہ سے ہٹاتے ہوئے اس کی سمت میں اپنے عمل کو جاری رکھتی ہے یہاں تک کہ اسے پالیتی ہے نصب العین کی محبت کا یہ وصف جس طرح سے انسانی خودی میں موجود ہے اسی طرح سے کائناتی خودی میں بھی موجود ہے۔ اور دونوں صورتوں میں وہ خود بخود اپنا اظہار پاتا ہے۔ اقبال نے اپنے خطبات میں لکھا ہے:

"حقیقتِ کائنات کوئی ایسی قوتِ حیات نہیں جو کسی نصب العین سے بے نیاز ہو۔ بلکہ اس کی فطرت سراسر نصب العین کی جستجو ہے۔"

انسان کا نصب العین خدا ہے اور خدا کا مطلوب انسان کی وہ حالت کمال ہے جو اس کے جسمانی کمال کے علاوہ جسے مدت ہوئی وہ حاصل کر چکا ہے دیگر جملہ کمالات یعنی علمی، اخلاقی، روحانی اور جمالیاتی کمالات کی آئینہ دار ہوگی اور جو تکمیلی درجے میں ہونے کی وجہ سے تمام تعارضات اور تضادات سے مبرا ایک وحدت ہوگی۔ کمالِ حسن کی اس حالت پر پہنچی ہوئی نوعِ انسانی کے لیے بطور ایک نصب العین کے خدا نے محبت کا احساس کیا لہٰذا جوشِ محبت سے اُسے وجود میں لانے کا ارادہ کیا اور اسے لفظ "کن (ہو جا) کہا تاکہ وہ وجود میں آئے۔ کیونکہ قرآن حکیم میں ہے کہ خدا جو

کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ اس قولِ کُن کا نتیجہ یہ ہے کہ اب وہ بتدریج عالمِ وجود میں آ رہی ہے یعنی ایک ابتدائی حالت سے آغاز کر کے اپنی حالتِ کمال کی طرف آگے بڑھ رہی ہے۔ کائنات کی اس تدریجی ترقی کا مقصد انسان کی تکمیل ہے کیونکہ صرف انسان ہی خدا کے قولِ کُن کا مدعا اور مخاطب اور اس کے تخلیقی عمل کا نشان یا مقصود ہے۔

ضمیرِ کن فکاں غیر از تو کس نیست
نشانِ بے نشاں غیر از تو کس نیست

اِنسان خُدا کا محبُوب اور مقصُود ہے

جب خُدا کی محبت کائنات کی تخلیق اور تدریجی ترقی کی صورت میں اپنے مطلوب کی جستجو کرنے لگی تو اس کا نتیجہ انسان تھا۔ یہی سبب ہے کہ خدا کی محبت کا جلوہ پُوری کائنات اور کائنات کی ہر چیز کی تدریجی ترقی اور تربیت کی صورت میں اس کائنات کے مادّی پردہ کے پیچھے صاف طور پر نظر آ رہا ہے۔

عشق اندر جستجو افتاد و انسان حاصل است
جلوۂ اُو آشکار از پردۂ آب و گِل است

اپنی حالتِ کمال پر پہنچی ہوئی نوعِ انسانی خدا کا وہ محبوب ہے جو اس سے کھو گیا ہے اور اب خدا کائنات کے طویل ارتقائی عمل کے ذریعہ سے اس کی جستجو کر رہا ہے۔ خدا بھی ہماری طرح ایک آرزو رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسے پیکرِ خاکی کا دیدار کرے جس کا حُسن درجہ کمال پر ہو۔ اُس کے دیدار کے لیے اس نے یہ ہنگامۂ عالم برپا کیا ہے۔ رنگ و بُو کا یہ تماشا خانۂ محبوب کے نظارہ کے لیے ایک بہانہ ہے ورنہ اس کا مدّعا اور کچھ نہیں:

ما از خدائے گم شدہ ایم او بجستجُوست
چوں ما نیاز مند و گرفتار آرزُوست
ہنگامہ بست از پئے دیدار خاکئے
نظارہ را بہانہ تماشائے رنگ و بوست

کائنات خدا کی ایک آیت یا نشان ہے۔ لیکن آیت کا مطلب بہت دیر کے بعد کھلنے والا ہے کیونکہ اس کا مطلب وہ انسان ہے جو کائنات کے ایک طویل تدریجی ارتقا کے نتیجہ کے طور پر آئندہ اپنے کمال کو پہنچے گا۔ کائنات کی مادّی، حیاتیاتی اور نفسیاتی یا انسانی سطحوں پر خدا کی رنگا رنگ مخلوقات کے قافلے جو ارتقائے کائنات کے مقامات اور مدارج ہیں، اسی انسان کی تخلیق اور تکمیل کے سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

وقت کی رفتار یا گردش روزگار جو کائنات کے تدریجی ارتقا کو اپنے ساتھ لاتی ہے اس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ انسان کی خودی اپنے کمال کو پہنچے اور پوری طرح سے آشکار ہو جائے:

یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

اقبال کو بجا طور پر اس بات کی شکایت ہے کہ ہمارے علماء دین جو اس بات کی طرف بار بار توجہ دلاتے رہتے ہیں کہ خدا انسان کا محبوب ہے اور انسان کو چاہیے کہ خدا کی عبادت اور اطاعت کرے، بہت کم اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ انسان بھی خدا کا محبوب ہے اور خدا انسان کے لیے وہ سب کچھ کر رہا ہے جو اُسے ایک محبوب کے لیے جسے وہ ترقی دے کر حُسن و کمال کی انتہا تک پہنچانا چاہتا ہے، کرنا چاہیے۔

یہ راز ہم سے چھپایا ہے میرِ واعظ نے
کہ خود حرم ہے چراغِ حرم کا پروانہ

ظاہر ہے کہ یہاں حرم خدا سے اور چراغِ حرم اُمّتِ مسلمہ سے (جو نوعِ انسانی کے لیے خدا کی روشن کی ہوئی ایک شمع ہے) استعارہ ہے۔

یہی سبب ہے کہ مسلمانوں میں اپنے مستقبل کے متعلق ایک گہری مایوسی پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ افسوس کہ خدا کا نور جن نگاہوں کے نظاروں کی تمنا خود کر رہا تھا وہی نگاہیں خدا کے نور کے دیدار سے مایوس ہو گئی ہیں۔

خود تجلّی کو تمنّا جن کے نظاروں کی تھی
وہ نگاہیں نا اُمیدِ نُورِ ایمن ہو گئیں

عملِ تخلیق ایک دُوسرے کے لیے خدا اور انسان کی جستجو ہے

چونکہ انسان کا محبوب خدا ہے اور خدا کا محبوب انسان ہے خدا اور انسان دونوں کائنات کے ارتقائی عمل کے ذریعے سے ایک دُوسرے کی جستجو کر رہے ہیں۔ جب انسان اپنی حالت کمال کو پہنچے گا تو اس وقت ایک طرف سے خدا انسان کو پائے گا اور دوسری طرف سے انسان خدا کو پائے گا۔

تلاشِ اُو کنی جز خود نہ یابی
تلاشِ خود کنی جز اُو نہ بینی

اس طرح سے جب خدا کو پانے سے انسان کی اپنی خودی کا مخفی حسن بے حجاب ہو گا تو یہی وقت ہو گا جب انسان کے لیے خدا کا حسن بھی پُوری طرح سے بے حجاب ہو گا۔ خدا کی نمود انسان کی نمود ہے اور انسان کی نمود خدا کی نمود ہے۔

نمود اس کی نمود تیری نمود تیری نمود اس کی
خدا کو تو بے حجاب کر دے خدا تجھے بے حجاب کر دے

خدا اور انسان دونوں کی ایک دوسرے کے لیے جستجو کا عمل ایک ہی ہے یہاں تک کہ یہ کہنا کہ اس عمل کے ذریعہ سے خدا انسان کی جستجو کر رہا ہے ایک ہی بات ہے۔

در خاکدان ما گہرِ زندگی گم است
ایں گوہرے کہ گم شدہ ما ایم یا کرا دست

ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات ہر لمحہ بدل کر ایک نئی حالت اختیار کرتی ہے۔

ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ تازہ ہے شانِ وجود

تغیّرات کے اس غیر متناہی سلسلہ سے خود ثابت ہوتا ہے کہ کائنات ابھی نامکمل ہے

اور اس سے پہلے کہ یہ اپنی حالتِ کمال کو پہنچے جہاں انسانیت کاملہ کا ظہور ہوا اسے ابھی بہت سی منزلوں سے گزرنا ہے۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

ان تغیرات کی وجہ یہ ہے کہ کائنات بہتر سے بہتر حالتوں کو اختیار کرنا چاہتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات خود شہید آرزو ہے اور ہر آن ایک زیادہ خوبصورت اور پھر اس سے بھی زیادہ خوبصورت پیکر کی تمنا اسے دامن گیر رہتی ہے۔ اس کی جستجو اس وقت ختم ہوگی جب نوعِ انسانی اپنی حالتِ کمال کو پہنچے گی۔

فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو

رہتی نہ ہو کا مطلب یہ نہیں کہ کہنے والے کو شک ہے کہ شاید فطرت ہستی شہید آرزو نہ بھی رہتی ہو بلکہ مخاطب پر اس سوال کا جواب چھوڑنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک بلیغ اور مؤثر طرزِ بیان سے بتایا جائے کہ وہ درحقیقت شہید آرزو رہتی ہے یعنی مخاطب خود بھی غور کر کے دیکھ لے کیا کائنات کے حقائق صاف طور پر نہیں بتا رہے کہ کائنات کے اندر بھی ایک آرزوئے حسن موجود ہے جس کی وجہ سے وہ ایک ایسے پیکر سے آراستہ ہونا چاہتی ہے جو منتہائے حسن و کمال ہو اور یہ پیکرِ حسن اسے اس وقت نصیب ہوگا جب ایک طرف سے انسانیت کاملہ خدا کو پائے گی اور دوسری طرف سے خدا انسانیت کاملہ کو پائے گا!

تخلیق کی حقیقت

خدا کی تخلیق اگر کسی کھوئے ہوئے محبوب کی جستجو کی صورت اختیار کر رہی ہے اور تخلیق کے دوران خدا کی صفاتِ حسن و کمال اپنا اظہار پا رہی ہیں تو اس میں تعجب کی بات کون سی ہے۔ تخلیق کا مطلب ہی یہ ہے کسی محبوب کی جستجو کرنا جس سے محبوب کے سامنے اپنی صفات اور ممکنات کا اظہار ہو۔

آفریدن جستجوے دلبرے
وانمودن خویش را بر دیگرے

وجود یا خودی یا زندگی کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ تخلیق میں اپنے آپ کا یعنی اپنی صفات کا اظہار کرتی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ خودی یا زندگی یا وجود ہی نہ ہو۔ خودی کے لیئے تخلیق یا جستجوئے محبوب ضروری ہے۔

گفت موجود آنکہ مے خواہد نمود
آشکارائی تقاضائے وجود

کائنات کا ہر ذرّہ اس بات کا گواہ ہے کہ تخلیق میں اپنے آپ کا اظہار کرنا خودی کی فطرت ہے کیونکہ خودی کا زورِ عمل یا خودی کی قوتِ تخلیق کائنات کے ہر ذرّہ میں پوشیدہ ہے۔

وانمودن خویش را خوئے خودیست
خفتہ در ہر ذرّہ نیروئے خودیست

آج انشقاقِ جوہر سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ کائنات کے ہر ذرّہ میں کتنی قوت چھپی ہوئی ہے

عملِ ارتقا تخلیق کے کئی اور لوازمات میں سے ایک ہے

اگر پوچھا جائے کہ کائنات خدا کے قول کُن سے فی الفور کیوں پیدا نہ ہوگئی اور کیوں اس کی بجائے ایک طویل ارتقائی عمل سے وجود میں آرہی ہے تو اقبال اس سوال کا جواب یہ دیتا ہے کہ یہ خودی کی فطرت کا ایک تقاضا ہے کہ اس کی تخلیق ہمیشہ ایک ایسے ارتقائی عمل کی صورت اختیار کرتی ہے جس پر ایک مدّت صرف آتی ہو۔

چو فطرت مے تراشد پیکرے را
تمامش مے کند در روزگارے

دراصل تدریجی تکمیل یا تدریجی ارتقا ہی نہیں بلکہ عملِ تخلیق کے اور بہت سے لوازمات ہیں جو خودی کی فطرت سے پیدا ہوتے ہیں مثلاً تخلیق کا پہلے ایک ذہنی یا شعوری حالت میں موجود ہونا اور بعد میں ایک عزم سے ماقوا کُن ۔ سے شروع ہونا، کسی محبوب یا مقصود کی محبّت اور جستجو کی شکل

اختیار کرنا، مقصود یا محبوب کے غلط اور ناقص متبادلات یا اقبال کے الفاظ میں پیکرِ اغیار کا ظہور اور ان کا ترک یا استیصال؛ وحدت خالق سے کثرت کا ظہور، زمان و مکان کا ظہور، عناصرِ تخلیق کے اندر جذب یا کشش کا ظہور، خوب و ناخوب، نیک و بد اور حق و باطل کے امتیاز کا ظہور، خودی کی صفات جلال و جمال کی آشکارائی وغیرہ، تخلیق خدا کا ہو یا انسان کی اس کے لوازمات میں کوئی فرق نہیں آتا۔ یہی سبب ہے کہ اقبال ہمیں بتاتا ہے کہ جو شخص آفرینشِ کائنات کے اسرار و رموز معلوم کرنا چاہے اسے اپنے آپ پر نگاہ ڈالنی چاہیے۔ خدا واحد ہے اور مخفی ہے لیکن اپنی تخلیق کی وجہ سے کثیر بھی ہے اور آشکار بھی ہے۔ ضروری ہے کہ کثرت اور آشکارائی کی طرح خدا اور انسان کی تخلیق کے لوازمات بھی مشترک ہوں اور انسان کی تخلیق خدا کی تخلیق کی طرف راہ نمائی کرتی ہو۔

اسرارِ ازل جوئی بر خود نظرے وا کُن
یکتائی و بسیاری پنہانی و پیدائی

اس مضمون کو سمجھانے کے لیے اقبال نے تصویر اور مصوّر کا ایک مکالمہ لکھا ہے تصویر اپنے مصوّر کو دیکھنا چاہتی ہے تو مصوّر کچھ گفتگو کے بعد اسے کہتا ہے:

مرے دیدار کی ہے اک یہی شرط
کہ تو پنہاں نہ ہو اپنی نظر سے

ظاہر ہے کہ یہاں مصوّر خدا سے اور تصویر انسان سے استعارہ ہے۔ قرآن حکیم میں ہے وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ (اس نے تمہاری تصویریں بنائیں اور تمہاری تصویریں عمدہ بنائیں)، اقبال کا یہ نظریہ کہ اگر انسان اپنے آپ پر نگاہ ڈالے تو وہ خدا اور کائنات کے اسرار و رموز کو سمجھ سکتا ہے، دراصل قرآن حکیم ہی سے ماخوذ ہے جس کا ارشاد ہے:

وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ

(اور خدا کی ہستی اور صفات کے نشانات تمہاری اپنی جانوں میں موجود ہیں کیا تم نہیں دیکھتے)

اسی لیے کہا گیا ہے "من عرف نفسه عرف ربه" (جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا)

(جاری ہے)

مؤلف : ڈاکٹر محمد شریف چوہدری
مترجم : ڈاکٹر خالد حمید ضیغم

ڈیپریشن کا علاج

بذریعہ نماز تہجد و سحر خیزی

مشاہدے اور تجربات سے یہ بات نصف النہار کی طرح سامنے آئی ہے کہ پژمردہ اور زبوں حال مریضوں کے لئے "محرومیٔ نیند" ایک مؤثر طریقۂ علاج ہے۔ بطور خاص وقت طلب مریض جن کے جسموں میں اندرونی پیدا شدہ مسائل بھی تھے، رات کی آخری گھڑیوں میں "جزوی معزولیٔ نیند" یا "خواب سے وقتی موقوفیت" سے بیحد متاثر ہوئے ہیں۔

نفسیاتی اور دماغی علاج کے ممتاز اور بزرگ ماہرین نے محرومیٔ استراحت کے ڈیپریشن مخالف اثرات اور اس کے ساتھ مربوط حیاتیاتی حقائق کے متعلق تحریری ثبوت بھی فراہم کئے ہیں اس بات کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ ماہ رمضان کے دوران مسلمانوں میں ڈیپریشن کی بیماری نسبتاً کم پائی جاتی ہے۔ اس کی دلیل ماہ رمضان کے دوران ایسے مریضوں کی تعداد میں نمایاں تخفیف ہے اس مشاہدے سے اس نظریے کو تقویت ملتی ہے کہ سحری کے لئے اٹھنے سے نیند میں جو عارضی تعطل پیدا ہوتا ہے وہ سحر خیزی کے ساتھ منسلک مخصوص مصروفیات مثلاً تہجد اور دوسری عبادات کے ساتھ مل کر ڈیپریشن میں کمی کا موجب ہو سکتا ہے۔ اسی مشاہدے کی بنیاد پر یہ نظریہ قائم کیا گیا ہے کہ سحر خیزی (مع تہجد اور دیگر عبادات و اذکار) ایسے امراض کے لئے ایک مؤثر طریقۂ علاج ہے جو ڈیپریشن کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔

منہج علاج مندرجہ بالا نظریے کی عملی تصدیق کے لئے علامہ اقبال میڈیکل کالج / سروسز ہسپتال لاہور کے شعبہ علاج نفسیاتی و دماغی امراض میں ایک مطالعاتی پروگرام وضع کیا گیا۔ یہ تجرباتی پروگرام تقریباً آٹھ نو ماہ (جنوری ۱۹۸۵ تا ستمبر ۱۹۸۵) جاری رہا۔

مریضوں کو ملی جلی دو جماعتوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ پہلی کو 'علاج بالتہجد جماعت' (مطالعاتی جماعت) قرار دیا گیا اور دوسری کو 'جزوی محرومیٔ خواب جماعت' (نگران جماعت) کا نام دیا گیا

مریضوں کی کل تعداد چونسٹھ (۶۴) تھی اور دونوں جماعتوں کے ارکان کو عمر، جنس، تعلیم اور معاشرتی رتبے کی مناسبت سے گروپوں میں تقسیم کیا گیا۔ ہر جماعت میں مریضوں کی مجموعی تعداد بتیس (۳۲) تھی جن میں بیس مرد اور بارہ عورتیں شامل تھیں۔

یہ ڈپریشن کے ایسے وقت طلب مریض تھے جو عرصۂ دراز تک مختلف دوائیاں بغیر کسی استفادے کے استعمال کر چکے تھے۔ تجربے کے دوران تمام مریضوں کی دوائیاں بند کروا دی گئیں دونوں گروپوں کے لئے کھڑکی (۲ تا ۴ بجے) لازمی قرار دی گئی۔

مطالعاتی جماعت کو مصروفیت کے طور پر ذکر و فکر، تہجد اور مندرجہ ذیل آیات قرآنی کا سو سو دفعہ ورد کرنے کی ہدایت کی گئی۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

خوب سُن لو کہ اللہ کے ذکر سے دل اطمینان پاتے ہیں (الرعد : ۲۸)

وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (الشعراء - ۸۰)

اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔

مریضوں کو ہدایت کی گئی کہ اس دوران نرم دلی کے ساتھ ان اذکار پر توجہ مرکوز کریں اور دلی آمادگی اور پوری سنجیدگی کے ساتھ خدا کی قربت کو محسوس کرنے کی کوشش کریں۔

نگران جماعت یا کنٹرول گروپ کے لئے بھی دو گھنٹے کے لئے جاگتے رہنا ضروری تھا۔ اور انہیں یہ ہدایت کی گئی کہ وہ یہ وقت فارغ بیٹھنے کی بجائے گھر کے چھوٹے موٹے کاموں اور پڑھائی جیسی روزمرہ مصروفیات میں صرف کریں۔

دوران علاج مریضوں کی جانچ، قبل از علاج کیفیت کے ساتھ موازنے کے طور پر کی گئی یہ جانچ ہفتے میں دوبار ہوتی رہی اور علاج شروع ہونے کے چار ہفتے بعد بھی مریضوں کو HAMILTON DEPRESSION RATING SCALE پر موضوعی اور معروضی دونوں سطحوں پر جانچا گیا۔ حتمی رپورٹ کی بنیاد، معالجین (دماغی و نفسیاتی) کے مریض کے ساتھ انٹرویو اور مریض کے ڈپریشن کی شدت کی پیمائش کو بنایا گیا۔ حتمی نتائج میں یہ نوٹ کیا گیا کہ مطالعاتی جماعت کے ڈپریشن میں نگران جماعت کی نسبت معتد بہ کمی ہوئی۔ حتمی نتائج کے

تفصیل و توضیح درج ذیل ہے :

نتائج

۴ ہفتے علاج کے بعد	صحت یاب	غیر متاثر	کل
مطالعاتی جماعت	۲۵	۷	۳۲
نگران جماعت	۵	۲۷	۳۲
کل	۳۰	۳۴	۶۴

آیئے مطالعاتی جماعت پر ایک نظر ڈالیں۔ ۳۲ مریضوں میں سے ۲۵ یعنی ۷۸ فی صد (۱۵ مرد اور ۱۰ عورتوں) نے اپنی بیماری سے نجات حاصل کی جبکہ ۷ مریض یعنی ۲۱۹ فی صد (۵ مرد اور ۲ عورتیں) کوئی بھی مثبت نتیجہ برآمد نہ کر سکے۔

دوسری طرف نگران جماعت میں ۳۲ میں سے صرف پانچ مریض بیماری سے نجات حاصل کر پائے جبکہ ۲۷ مریض یعنی ۸۴۳ فی صد (۱۶ مرد اور ۱۱ عورتیں) کوئی بھی مثبت نتیجہ دکھانے میں ناکام رہے۔ یہ نتائج (اعداد و شمار) اہم ہونے کے ساتھ ساتھ زیر بحث مفروضے (HYPOTHESIS) کو ثابت بھی کرتے ہیں یعنی مطالعاتی جماعت جس کے ارکان دلجمعی سے ذکر الٰہی، تہجد اور تلاوت آیات کرتے رہے مثبت نتائج دکھانے میں کامیاب رہے۔ نگران جماعت کے ارکان جو صرف جاگتے رہے اور گھریلو کام کاج میں مصروف رہے بہتر نتائج نہ دکھا سکے۔

صلوٰۃ تہجد ایک مسلمان کے لئے دینی اہمیت کی حامل ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت قرآنی یاد کروا رہی ہے۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ

اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد بھی پڑھ لیا کیجئے (جو) آپ کے حق میں زائد چیز ہے

(بنی اسرائیل : ۷۹)

یہ مومنوں کے لئے سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور اس پر عمل بحیثیت "علاج

برائے پژمردگان" بشرطیکہ دلجمعی، لگن اور عقیدت و محبت سے کیا جائے تو یقیناً خوش آیند ہوگا اور بیماری کے مضر اثرات کم کرتے کرتے زندگی پر خوش گوار اثرات مترتب کرے گا ـــــ کیونکہ یہ حضرات ذکر الٰہی سے اندرونی چین اور اطمینانِ قلب حاصل کر لیتے ہیں۔

قرآن حکیم کی ایک دوسری آیت سرچشمۂ صحت کی طرف رہنمائی کرتی ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہیں۔ (بنی اسرائیل : ۸۲)

یہاں یہ بات خاص طور پر توجہ طلب ہے کہ مسلمانوں کا ایمان بلکہ یقین ہے کہ ہر مصیبت من جانب اللہ ہی ہے اور جب بھی ہم صدقِ قلب اور خلوصِ نیت سے غلطیوں کا اعتراف کر کے معافی کے طالب ہوں گے اور مکمل صحت یابی کے لئے دعا کریں گے تو وہ (اللہ) یقیناً مغفرت بھی کرے گا۔ اور اپنی رحمت سے ہماری مشکلات و مصائب کو دور بھی کر دے گا۔

علاج بالتھجد ایک نفسیاتی طریقۂ علاج ہے جس کی تعلیمات قرآن سے ماخوذ ہیں ـــــ اور بحیثیت تقابل یہ مغربی طریقۂ علاج کو پاس بھی پھٹکنے نہیں دیتا ـــــ ایک مسلمان کا یہ یقینِ کامل کہ وہ صرف اسی (اللہ) کا ایک ادنیٰ غلام ہے اور زندگی اور موت صرف اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اسے زندگی کے گوناگوں ہنگاموں میں بہت سے مسائل سے یکسر نجات دے دیتا ہے۔

یہ مذہبی طریقۂ علاج جو احادیثِ نبویؐ اور آیاتِ قرآنی سے مستعار لیا گیا ہے، واقعتہً بہت سی دوسری نفسیاتی اور غیر نفسیاتی تکالیف کا منہ توڑ جواب ہے۔ (دیکھئے مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی)۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی بیماری لاعلاج نہیں ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیثِ نبویؐ سے ثابت ہے:

لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ

اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کے لئے شفا عطا فرمائی ہے۔

(باقی صـ۵۲ پر)

سیّد شبیر حسین شاہ زاہد

عقیدۂ ختمِ نبوّت

ختم نبوت کا عقیدہ مسلمانوں کے لئے انتہائی اہم اور بنیادی نوعیت کا حامل ہے۔ اسے مسلمانوں کے لئے زندگی اور موت کا معاملہ کہا جائے تو اس میں ذرا بھر مبالغہ نہ ہو گا۔ یہی بنیاد ہے جس پر اسلامی معاشرے کی عظیم الشان عمارت اٹھائی جاتی ہے اور اللہ کی زمین پر اللہ کی حکمرانی کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتا ہے۔ ہر مسلمان کے نزدیک ہر معاملے میں "فائنل اتھارٹی" اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تشریح و تعبیر کی "فائنل اتھارٹی" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اس اہم ایمانی گوشے (ختم نبوت) کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالنے کے لئے قرآن، حدیث اور جمہور علمائے امت کے اجماع کو بالترتیب اپنا رہنما بناتے ہیں۔ سب سے پہلے "عقیدہ" کی لغوی تعریف، پھر ختم کی عربی لغت میں تعریف، نبی کا مفہوم و مطلب اور بعد ازاں اس عقیدۂ ختم نبوت کے بارے میں قرآن، حدیث، عمل صحابہ اور اجماع امت سے دلائل پیش کئے جائیں گے۔ یہ مختصر سا مضمون طوالت کی اجازت نہیں دیتا اس لئے بعض جگہوں پر صرف اشارہ کر کے ہی گذرنا ہو گا۔

عقیدہ بمعنی پختگی، گرہ لگانا۔ یہ لفظ انسان کے ذہنی طور پر ایک بات پر مطمئن ہو جانے پر استعمال کیا جاتا ہے کسی بات پر عقیدہ یا یقین رکھنے والے کو معتقد کہا جاتا ہے۔

فیروز اللغات (اردو) کے بیان کے مطابق عقیدہ دل میں جمایا ہوا یقین کو کہتے ہیں (ص ۸۸۰)۔ خدا، رسولؐ، فرشتے، الہامی کتابیں تمام رسول و انبیاءؑ روز قیامت حساب کتاب، جنت دوزخ، قضا و قدر وغیرہ پر مذہبی حوالے سے پختہ یقین یا ایمان کو دینی عقیدہ کہا جاتا ہے اور اسے ماننا "اسلامی عقیدہ" ہے۔

مسلمان ہونے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی حیثیت سے ہم پر پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے جو حقوق ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپؐ کی نبوت و رسالت کو عقیدۂ خاتمیت کے ساتھ تسلیم کیا جائے اور آپؐ کے ورود مسعود کے بعد دعوائے نبوت و رسالت کرنے والوں کی تکذیب و تکفیر میں ہر گز کسی تساہل یا خاموشی سے کام نہ لیا جائے۔ کیونکہ آپؐ کی آمد کے بعد اور آپؐ کے زمانے کے بعد کسی کے دعویٰ نبوت پر خاموش رہ کر اپنے آپ کو غیر جانبدار رکھنے کی کوشش کرنا بھی قرآن و حدیث کی واضح نصوص کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ بچاؤ اور نجات اسی میں ہے کہ ہم اس علمی روشنی کو اُن جاہلوں تک پہنچائیں جن کو منکرین اپنی لغوی موشگافیوں اور عقلی دلائل کے تانے بانے میں الجھا کر عقیدۂ ختم نبوت سے دور کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ بقول حضرت امام اعظمؒ قائلین دعویٰ نبوت سے دلیل طلب کرنا بھی دائرہ کفر میں گرنے والی بات ہے۔

لفظ ختم کو منکرین ختم نبوت سب سے زیادہ اپنے لغوی دلائل کا ہدف بناتے ہیں کہیں اس کو مہر کے معنوں میں لاتے ہیں اور کہیں انگوٹھی کے معنوں میں لاتے ہیں "المنجد" کے مطابق ختم بمعنی مہر لگانا اور کسی چیز کا سلسلہ منقطع کرنا مثلاً ختم الاناء (برتن کا منہ بند کر دیا) ختم الکتاب (خط پورا کر کے اس پر مہر لگا دی) ختم العمل (کام پورا کر کے اس سے فارغ ہو گیا)

خاتمۃ کل شیئ عاقبتہ و اٰخرتہ (ہر چیز کے خاتمہ سے مراد ہے اس کی عاقبت اور آخرت) ختم الشیئ بلغ آخرہ (کسی چیز کو ختم کرنے کا مطلب ہے 'اس کے آخر تک پہنچ جانا) اس معنی میں "ختم قرآن" بولتے ہیں۔ اور اسی معنی میں قرآن مجید کی آیات کے آخری حصے کو خواتیم کہا جاتا ہے۔

ختم الشی و علیہ (مہر لگانا) ختم العلی ختم الکتاب ختم الاناء ختم علی قلبہ (بے سمجھ بنانا) ختّم (اچھی طرح ختم کرنا) مبالغہ کا صیغہ ہے وغیرہ۔

امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ

الختم و الطبع کا لفظ دو طرح سے استعمال ہوا ہے اور اس کے مصدر ختمۃ اور طبعۃ ہیں بمعنی کسی چیز پر مہر کی طرح کے نشانات لگانا اور کبھی اس نشان کو کہتے ہیں جو مہر

لگانے سے بن جاتا ہے۔ مجازاً کبھی اس سے کسی چیز کا محفوظ کرنا مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ دروازوں یا کتابوں پہ مہر لگا کر انہیں محفوظ کر دیا جاتا ہے کہ کوئی چیز ان کے اندر داخل نہ ہو (اور نہ نکلے) مثلاً خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ (اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی) اور کبھی کسی چیز کا اثر حاصل کر لینے سے کنایہ ہو جاتا ہے جیسا کہ مہر سے نقش ہو جاتا ہے اور کبھی اس سے کسی چیز کا انتہا کو پہنچ جانا مراد ہوتا ہے اور اسی سے ختمتُ القرآنَ کا محاورہ ہے یعنی قرآن ختم کر لیا۔ سورۃ الاحزاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیّین فرمانے کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرتؐ کی آمد سے سلسلۂ نبوّت مکمل ہو گیا ہے اور اب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا

(۱) علامہ رشید رضا مصری اپنی تصنیف "الوحی المحمدی" میں لکھتے ہیں۔

آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ..... وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ سے ثابت ہوتا ہے کہ نبوت اور رسالت دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ختم ہو گئیں۔ اس لئے آپ کے بعد جو وحی کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا اور گمراہ کن ہے۔ بہت سے لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا مگر ان کا جھوٹ ظاہر ہو گیا

(۲) اسی طرح نبی یا نبوت کے معنوں کی لغوی تحقیق کے لئے بھی عربی کی مستند اور مشہور لغات کی طرف رجوع کیا جائے تو جو معنی و مفہوم واضح ہوتا ہے۔ نمونہ کے لئے اس کی چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ نبی عربی زبان میں النباء سے صفت ہے جس کے معنی ہیں "مفید خبر جس کی اہمیت ہو"۔ اس میں فاعل اور مفعول دونوں معنی درست ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ نبی اللہ کی طرف سے مخبر بھی ہے اور اللہ کی طرف سے اسے خبر بھی دی جاتی ہے۔ نبی کا باتشدید استعمال زیادہ ہے اور اس میں ہمزہ کو یا سے بدل دیا گیا ہے یا یہ لفظ النبوۃ سے ماخوذ ہے ــــ جس کے معنی بلندی اور شرافت کے ہیں۔

اہل کتاب کے نزدیک اس کا اطلاق اس الہام والی شخصیت پر ہوتا ہے جو مستقبل کی پوشیدہ باتوں کی اطلاع دے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قدیم عبرانی زبان میں اس کے اصل مادہ کا معنی ہے "مطلق بلند آواز سے بولنے والا یا شرعی امور میں بولنے والا"۔ ہمارے نزدیک نبی

اس کو کہیں گے جس پر اللہ تعالیٰ اپنی وحی نازل کرے۔

۲۔ تنبأً و تنبّؤًا (نبوت کا دعویٰ کرنا) النبوّۃ و النبوّۃ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی بناء پر غیب کی باتیں بتانا، پیشین گوئی کرنا، خدا تعالیٰ کی خبریں دینا ؎

"نبوت عام انسانیت کے رتبہ سے بالاتر ہے جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے وہ عطیہ الٰہی اور موہبت ربّانی ہے۔ سعی و محنت اور کسب و تلاش سے نہیں ملتی"۔

اسلام میں انبیاء ہادی (رہنما) نذیر (ہوشیار کرنے والے) داعی (خدا کی طرف بلانے والے) مبشّر (خوشخبری سنانے والے) معلم (سکھانے والے) مبلغ (خدا کے احکام پہنچانے والے) نور (روشنی) مبین (خدا کی صفات کو واضح کرنے والے) مزّکی (پاک و صاف کرنے والے) مطاع (واجب الاطاعت) حاکم (فیصلہ کرنے والے) آمر (حکم دینے والے) ناہی (منع کرنے والے برائیوں سے) صاحب حکمت، خلقِ عظیم کی سی صفات کے حامل ہوتے ہیں

عقیدہ ختم اور نبوت کے معانی کے اس جائزے کے بعد اب ہم قرآن مجید کی وہ آیت پیش کرتے ہیں جو عقیدہ ختم نبوت کے معاملے میں نص قرآنی ہیں اور یہی وہ آیہ مبارکہ ہے جس پر ایمان لانے کے بعد نبوت کے خاتمہ کا ایمان ہم پر واجب ہو جاتا ہے۔ فرض ہو جاتا ہے۔ جزِ جاں ہو جاتا ہے۔ حصہ ایماں ہو جاتا ہے۔ باعث نجات دو جہاں ہو جاتا ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۴۰) (ترجمہ)...... نہیں ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ، بلکہ وہ اللہ کے رسولؐ ہیں اور سب سے آخر میں آنے والے نبیؐ (نبیوں میں سے)...... اس آیہ مبارکہ کے معانی کو سمجھنے کے لئے ہم اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ بن حارثہ جنہیں متبنیٰ ہونے کی بنا پر زید بن محمدؐ بھی کہا جاتا تھا، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اور بچپن ہی سے آپؐ کے زیر سایہ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا بیٹا بنالیا۔ انہوں نے غلاموں میں سب سے پہلے شرک اور جہالت کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کی روشنی سے اپنے آپ کو منور کیا۔ حضور اکرمؐ کی

آپؐ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کا نکاح ان سے کر دیا۔ مگر حضرت زینبؓ کا حضرت زیدؓ بن حارثہ سے نباہ نہ ہو سکا اور آخر نوبت طلاق تک پہنچ گئی بعد میں حضور اکرمؐ نے حضرت زینبؓ سے خود عقد فرمایا اس پر مکہ کے مشرکوں نے ایک زلزلہ برپا کر دیا۔ کیونکہ عرب معاشرے میں منہ بولے بیٹے کو نسبی بیٹے کی سی حیثیت حاصل تھی اور اہل عرب منہ بولے بیٹے کی منکوحہ سے طلاق کے بعد نسبی بیٹے کی منکوحہ کی طرح نکاح کو ناجائز سمجھتے تھے۔ سورۃ الاحزاب کے پانچویں رکوع کی آیت ۳۴ سے ۴۰ میں اس سارے واقعہ کے متعلق بیان موجود ہے

اب آیہ مذکورہ میں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اول یہ کہ نکاح مذکورہ بالا قابل اعتراض نہیں ہے۔ اس لئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے حقیقی باپ نہیں ہیں اور منہ بولے باپ یا روحانی باپ نسبی باپ کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے۔ دوسرے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر تم کو شبہ ہو کہ منہ بولے بیٹے کی طلاق یافتہ سے منہ بولے باپ کا نکاح جائز ہی سہی مگر کیا ضروری تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ نکاح کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے لئے اس کام کو کرنا نہایت ضروری تھا اس لئے کہ ایک نبی اور پیغمبر کی حیثیت سے آپؐ کے لئے زمانے کی بری رسوم کو توڑنا اور بھی ضروری ہے تاکہ امت کے لئے آپ کا عمل حجت اور سند رہے اور امت کے لئے اس کام میں ہچکچاہٹ کا موقع نہ رہے۔ تیسری بات جس کی طرف اس آیہ مبارکہ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ آپؐ کے لئے یہ رسم توڑنی اور امت کے لئے نمونہ عمل پیش کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ آپ محض نبی ہی نہیں بلکہ آخری نبی ہیں۔ اگر آپ کے ہاتھوں سے جاہلانہ رسم نہ ٹوٹتی تو پھر قیامت تک نہ ٹوٹ سکتی کیونکہ آپؐ کے بعد اور کوئی نبی آنے والا نہیں ہے جو آپؐ کے ادھورے چھوڑے ہوئے کاموں کو تکمیل کر دے

بیان کردہ واقعہ اور تفسیری اشاروں کو سمجھ لینے کے بعد اب یہ اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ اس آیت اور اس کے مفہوم کا اصلی مدّعا کیا ہے۔ اگر اسے نفی کمال (منکرین ختم نبوت کا عقیدہ یا توجیہ) کے معنوں میں لیا جائے تو یہاں "خاتم النبیین" کا لفظ بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے موقع محل کا تقاضا ظاہر کرتا ہے کہ اس جگہ نفی کمال مراد نہیں بلکہ نفی

جنس مراد ہے اور اس سے مراد حقیقی نبوت کا حقیقی الفاظ میں حقیقی انقطاع ہی ہے

اب چند تفسیری اقتباسات پیش کرتا ہوں جو آیہ مذکورہ بالا (خاتم النبیین) کی تفسیر کے تحت "تصور ختم نبوت" کو اور بھی زیادہ واضح کرتے ہیں

۱۔ "وہؐ نبوت کو اختتام تک لائے اور اس پر مہر لگادی اب یہ دروازہ روز حشر تک کسی پر بھی نہیں کھلے گا"۔ (تفسیر ابن جریر نمبر جلد ۲۲ ص ۱۲)

۲۔ علامہ بغویؒ لکھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے نبیؐ پاک کے ذریعے نبوّت کا خاتمہ کر دیا اس لئے وہ آخری نبی ہیں"۔ (معالم التنزیل در بحث خاتم النبیین)

۳۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ "خاتم النبیین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایک پیغمبر کے بعد دوسرا نبی آتا ہے۔ تو وہ رشد و ہدایت اور احکامات الٰہی کی وضاحت کا ایک مشن اپنے پیچھے چھوڑتا ہے اور اس کے بعد آنے والے کو اسے مکمل کرنا ہوتا ہے لیکن ایسا پیغمبر جس کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آنا تھا۔ وہ اپنی امت کے لئے بہت زیادہ رحمدل تھا اسلئے امّت کے لئے واضح ہدایت فراہم کی۔ (تفسیر کبیر جلد ششم از امام فخر الدین رازیؒ)

(۴) علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ کہ "اس طرح یہ آیت اس سلسلہ میں واضح حکم ہے۔ کہ نبی اکرمؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور جب انؐ کے بعد کوئی نبی نہیں تو انؐ کے بعد کوئی رسول بھی رسالت کے لئے مخصوص نہیں ہو سکتا..... جو کوئی بھی نبی اکرمؐ کے بعد اس منصب کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ کاذب، گمراہ، کافر اور منکر ہے"۔ (تفسیر ابن کثیر جلد نمبر ۳ از حافظ عماد الدین ابن کثیر)۔

(۵) علامہ علاؤالدین بغدادی رقم فرماتے ہیں کہ "خاتم النبیین" یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت ختم کر دیا۔ اب آپ کے بعد نہ کوئی نبوت ہوگی، نہ ہی اس کے ساتھ کوئی شراکت ہوگی اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ (تفسیر خازن در تفسیر سورۃ الاحزاب)

(۶) علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر جلالین میں لکھتے ہیں۔ کہ "وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا اللہ تعالیٰ ہر چیز کے بارے میں علم رکھتا ہے۔ اور یہ جانتا ہے کہ نبی اکرمؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائیں گے، تو وہ محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو ماننے والے ہوں گے۔ (صفحہ ۷۶۸)۔
(۷) تفسیر مدارک التنزیل میں خاتم النبیین کی تفسیر میں بھی یہ درج ہے۔ کہ "نبی پاک خاتم النبیین ہیں۔ ان کے بعد کوئی دوسرا شخص پیغمبر مقرر نہیں کیا جائے گا"۔ (مدارک التنزیل جلد نمبر ۵)۔
(۸) علامہ محمود آلوسی اپنی شہرہ آفاق تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں۔ "لفظ نبی عام ہے۔ اور لفظ رسول خاص ہے۔ اس لئے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہونے کے ناطے سے یہ تقاضا کرتے ہیں، کہ انہیں خاتم النبیین اور خاتم المرسلین بھی ہونا چاہئے اور اُن کا آخری نبی اور رسول ہونا یہ معنی دیتا ہے، کہ دنیا میں اللہ کی جانب سے آپؐ کو نبوت ملنے کے بعد کسی جن یا انسان کے لئے منصب نبوت کو ختم کر دیا گیا ہے اور اس سلسلے میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں"۔

درج بالا تمام تفسیری حوالوں کے بعد اس حوالہ کے پیش کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کہ اہل سنت علماء کے علاوہ شیعہ اکابر نے بھی ختم نبوت کے عقیدے کو آیۂ مذکورہ بالا (وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ) کے تحت شرح و بسط سے پیش کیا ہے۔ طوالت کے خوف سے اقتباسات کو چھوڑ کر صرف حوالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

(۱) تفسیر القمی از علی بن ابراہیم صفحہ ۵۳۲ مطبوعہ نجف (عراق)۔ (۲) تفسیر منہاج الصادقین از ملا فتح اللہ کاشانی جلد نمبر ۷ صفحہ ۳۳ مطبوعہ نجف (عراق) (۳) تفسیر مجمع البیان از ابو علی فضل ابن حسین طبرسی جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۸۱ مطبوعہ نجف (عراق) (۴) تفسیر البرہان از ہاشم ابن سلیمان ابن اسماعیل حسینی جلد نمبر ۳ صفحہ ۳۲۷ مطبوعہ قم (ایران) (۵) تفسیر الصفی از ملا محسن کاشی صفحہ ۴۹۱ مطبوعہ نجف (عراق)۔ (۶) انوار النجف از علامہ حسین بخش صفحہ ۲۱۱ جلد نمبر ۱۱ مطبوعہ لاہور (۷) تفسیر عمدۃ البیان از مولانا سید عمار علی جلد نمبر ۱۲ مطبوعہ دہلی۔

اگر قرآن مجید کے بیان میں بقول منکرین ختم نبوت تاویلات اور معانی ختم کی کثرت کے حوالے سے لغوی مباحثے کے جواز کو تسلیم کر ہی لیا جائے۔ تو پھر لامحالہ ہمیں کسی ایک معنی و

مفہوم پر پہنچنے کے لئے حضور ختم المرسلین کے ارشادات کا جائزہ لینا پڑے گا۔ جو آپ نے نبوت کے خاتمے کے ضمن میں وقتاً فوقتاً ارشاد فرمائے ہیں۔ اس سلسلے میں اختصار سے کام لے کر صرف صریح بیانات والی احادیث پیش کی جاتی ہیں۔ تاکہ کسی کو تاویل یا کٹ حجتی کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ ہاں اس کے باوجود بھی اگر کوئی لغوی معنی یا عقلی تاویلات کی بناء پر قرآن وحدیث کے مفہوم کو ماننے کی بجائے اپنے ذہن اور عقل کے گھوڑے ہی دوڑانا چاہے تو ایک ناچیز انسان دوسرے انسان کو صراط مستقیم پر کیسے ڈال سکتا ہے۔ ہدایت تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ (۱) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میری اور دوسرے انبیاء کی مثال اس شخص کی سی ہے' جس نے ایک عمارت بنائی ہو' اور اسے نہایت عمدہ اور خوبصورت بنایا ہو۔ لوگ چاروں طرف گھوم گھوم کر اسے دیکھ رہے ہوں' اور کہہ رہے ہوں' کہ اس سے بہتر عمارت ہم نے آج تک نہیں دیکھی۔ لیکن بس ایک اینٹ کی جگہ اس میں خالی ہے' اور وہ اینٹ میں ہی ہوں۔ (بخاری کتاب المناقب و مسلم کتاب الفضائل) حضرت ابوہریرہؓ ہی سے ایک اور روایت میں اسی عنوان کی ایک حدیث کے آخر میں جو مسلم کتاب الفضائل میں بیان ہوئی ہے' ان الفاظ کا اضافہ ہے۔ "اور میں خاتم النبیین ہوں" (کتاب الفضائل صفحہ ۱۴۴۳ حدیث نمبر ۸۵۸) "پس میں آیا اور پیغمبری کا سلسلہ بند کر دیا"۔ (مسلم کتاب الفضائل و ترمذی کتاب المناقب باب فضائل النبیؐ) "میرے ذریعے پیغمبری کا سلسلہ بند کر دیا گیا" (مسند ابو داؤد۔ بروایت جابر بن عبداللہ)[۱]

اس مضمون کی احادیث میں بڑی لمبی حقیقت پوشیدہ ہے' کہ تکمیل دین میں بھی ارتقائی منازل طے ہوتی رہی ہیں۔ عقل انسانی کے ساتھ دینی تصورات میں بھی ارتقاء ہوتا رہا ہے۔ جب ایک عمارت بنتی ہے تو بنیاد ڈالنے سے لے کر تکمیل عمارت تک ہر قدم ارتقائی قدم ہی ہوتا ہے۔ عمارت دین کی تکمیل میں بھی یہی صورت رہی ہے۔ ہر پیغمبر نے ایک اینٹ رکھ کر اس مقصد کو آگے بڑھایا ہے' اور اسے تکمیل سے قریب ترین کر دیا۔ لیکن پوری تکمیل حضور نبی کریمؐ کے آنے سے ہوئی اور فرمایا گیا۔ "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ) یہ اسلام ایک

دین اور ایک نظام زندگی کی حیثیت سے تمام انبیاء کا واحد دین تھا اور سب نے اس دین کی عمارت (اسلام) کو پروان چڑھانے میں اپنی استطاعت بھر حصہ لیا۔ مگر تکمیل واختتام اور اس نعمت کا اتمام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں آیا' اور نبوت کا مقصد پورا ہو گیا۔ لہٰذا نبوّت بھی ختم ہوگی۔ پس آپؐ نے فرمایا۔ انا خاتم النبیین۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضلیت دی گئی ہے۔ (۱) مجھے جامع اور مختصرات کہنے کی صلاحیت دی گئی ہے۔ (۲) مجھے رعب کے ذریعے سے نصرت بخشی گئی۔ (۳) میرے لئے اموال غنیمت حلال کئے گئے۔

(۴) میرے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی (یعنی میری شریعت میں نماز صرف مخصوص عبادت گاہوں میں ہی نہیں بلکہ روئے زمین پر ہر جگہ پڑھی جا سکتی ہے۔ اور اگر پانی نہ ملے تو میری شریعت میں تیمّم کر کے وضو و غسل دونوں ضرورتیں پوری کی جا سکتی ہیں)۔ (۵) مجھے تمام دنیا کے لئے رسول بنایا گیا۔ (۶) میرے اوپر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ (مسلم' ترمذی' ابن ماجہ)۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ میرے بعد اب نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی"۔ (ترمذی کتاب الرویاء باب ذہاب النبوۃ)۔ (مسند احمد مرویات انس بن مالک)۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میں محمد ہوں' میں احمد ہوں' میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعے سے کفر محو کیا جائے گا۔ میں حاشر ہوں کہ میرے بعد لوگ حشر میں جمع کئے جائیں گے۔ (یعنی میرے بعد اب قیامت ہی آنی ہے) اور میں عاقب ہوں' اور عاقب وہ ہے' جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو" (بخاری و مسلم کتاب الفضائل باب اسماء النبیؐ۔ ترمذی کتاب الاداب باب اسماء النبیؐ۔ موطا کتاب اسماء النبیؐ۔ المستدرک للحاکم کتاب التاریخ باب اسماء النبیؐ)۔

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا جس نے اپنی امت کو دجّال کے خروج سے نہ ڈرایا ہو۔ (مگر ان کے زمانے میں وہ نہ آیا)۔ اب میں آخری نبی ہوں' اور تم آخری امت ہو۔ لامحالہ اب اس کو تمہارے اندر ہی نکلنا ہے۔ (ابن

ماجہ کتاب الفتن باب الدجّال)۔

(۶) حضرت عبدالرحمٰن بن جبیر کہتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان سے نکل کر ہمارے ہاں تشریف لائے۔ اس انداز سے گویا آپ ہم سے رخصت ہو رہے ہیں۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ "میں محمد نبی امی ہوں" اور پھر فرمایا "اور میرے بعد کوئی نبی نہیں" (مسند احمد مرویات عبداللہ بن عمرو بن العاص)۔

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "میرے بعد کوئی نبوت نہیں ہے۔ صرف بشارت دینے والی باتیں ہیں" عرض کیا گیا۔ وہ بشارت دینے والی باتیں کیا ہیں! یا رسول اللہ؟ فرمایا "اچھا خواب یا صالح خواب (یعنی وحی کا اب کوئی امکان نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اگر کسی کو اللہ کی طرف سے کوئی اشارہ ملے گا بھی تو وہ اچھے خواب کے ذریعے سے ملے گا)۔ (مرویات ابو الطفیل نسائی)

(۸) حضور اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا، تو عمر بن خطاب ہوتے" (ترمذی کتاب المناقب بخاری و مسلم فضائل الصحابہ)۔

(۹) نبی اکرمؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا "میرے ساتھ تمہاری نسبت وہی ہے، جو موسیٰؑ کے ساتھ ہارونؑ کی تھی۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے"۔ (بخاری و مسلم کتاب فضائل الصحابہ)۔

بخاری و مسلم، مسند احمد، ابو داؤد طیالسی میں یہ روایت کئی دفعہ دہرائی گئی ہے۔ الفاظ کے معمولی ردّو بدل کے ساتھ اس سلسلے میں جو تفصیلات ملی ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ یہ حدیث غزوۂ تبوک کے موقعہ پر کہی گئی غزوۂ تبوک پہ جاتے وقت حضور اکرمؐ نے حضرت علی کو مدینہ طیبہ کی حفاظت و نگرانی کے لئے اپنے پیچھے چھوڑنے کا فیصلہ فرمایا۔ حضرت علیؓ نے جا کر حضور اکرمؐ سے عرض کیا۔ کہ "یا رسولؐ اللہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں۔ نبی اکرمؐ نے حضرت علیؓ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ "تم تو میرے ساتھ وہی نسبت رکھتے ہو، جو موسیٰؑ کے ساتھ ہارونؑ رکھتے تھے"۔ لیکن اس کے ساتھ ہی حضورؐ کو یہ اندیشہ ہوا کہ حضرت ہارون کے ساتھ حضرت علی کی یہ تشبیہ کہیں بعد میں کسی فتنے کی موجب نہ

بن جائے اس لئے فوراً آپؐ نے یہ تشریح فرمادی کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(۱۰) حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا..... "اور یہ کہ میری امت میں تیس کذّاب ہوں گے۔ جن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے"۔ (ابو داؤد و کتاب الفتن)۔

(۱۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد کوئی امت نہیں" (یعنی کسی نئے آنے والے نبی کی امت نہیں) (بیہقی کتاب الرویاء۔ طبرانی)۔

(۱۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میں آخری نبی ہوں، اور میری مسجد آخری مسجد ہے"۔ یعنی کسی نبی سے منسوب مسجد جس کی طرف بغرض ثواب سفر کیا جائے) مسلم کتاب الحج باب فضل الصلوۃ، مکّۃ والمدینۃ)۔

(۱۴) حضرت علیؓ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے حضور اکرمؐ کے وصال کے موقع پر آپؐ کے جسد خاکی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا "اے اللہ کے پیغمبر آپؐ کی وفات نے وہ چیز ختم کر دی ہے، جو پہلے کسی کی وفات سے ختم نہیں ہوئی تھی۔ اور وہ ہے نبوت۔ وحی الٰہی اور دوسری پیغمبرانہ اطلاعات" (نہج البلاغہ جلد دوم)۔

(۱۵) بیان کیا جاتا ہے کہ ابو جعفر اور ابو عبداللہ نے کہا..... "یقیناً اللہ نے تمہاری کتاب (قرآن مجید) کے ساتھ دوسری تمام الہامی کتابیں ختم کر دیں۔ اور تمہارے پیغمبر (محمدؐ) کے ساتھ پیغمبری کا سلسلہ بند کر دیا ہے"۔ (اصول کافی جلد اول مطبوعہ نولکشور)

احادیث کے مطالعہ سے بالصراحت یہ بیان ثابت ہو گیا ہے کہ جس طرح قرآن مجید میں آیت خاتم النبیین کا سیاق و سباق ختم النبوت پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح احادیث کا مطالعہ مختلف مواقع پر زبان رسالت سے آپؐ کی آمد کو ختم نبوت کی دلیل بنا رہا ہے۔

اب مانو یا نہ مانو تمہیں اختیار ہے۔

قرآن اور احادیث کے مطالعہ کے بعد اسلامی شرع میں تیسرا درجہ اجماع صحابہ کا ہے۔ اس طرف رجوع کرتے ہیں تو بھی فیصلہ ختم نبوت کے حق میں ہی ہے۔ بطور ثبوت چند ایک

تصریحات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) یہ بات تمام معتبر تاریخی روایات سے ثابت ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا' اور جن لوگوں نے ان کی نبوت کو تسلیم کیا' ان سے صحابہ کرامؓ نے عملی اور نظریاتی دونوں محاذوں پر جنگ کی۔ مسیلمہ کذاب' یمامہ کے ایک قبیلہ بنوحنیفہ کا ایک فرد تھا۔ حضور اکرمؐ کی حیات میں ہی اس نے دعویٰ نبوت کیا' اور اپنے آپ کو آنحضرتؐ کی نبوت میں شریک و سہیم مشہور کر دیا۔ حضور اکرمؐ کو اس نے نامہ لکھا۔ اس کے ابتدائی الفاظ درج ذیل ہیں۔

من مسیلمة رسول الله الی محمّد رسول الله سلام علیک فانی اشرکت فی الامر معک (طبری جلد دوئم مطبوعہ مصر)

(ترجمہ) مسیلمہ اللہ کے رسول کی طرف سے' محمدؐ اللہ کے رسول کی طرف۔ آپؐ پر سلام ہو۔ آپ کو معلوم ہو کہ میں آپ کے ساتھ نبوت کے کام میں شریک کیا گیا ہوں)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیان اور پیشکش (کہ آپ میری نبوت کو تسلیم کر لیں۔ میں آپ کے ساتھ مل کر کام کروں گا) کو رد کر دیا۔ اور مسیلمہ کے ایلچی سے فرمایا۔ کہ "اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو میں تمہیں قتل کرا دیتا"۔ پھر اس کے بعد مسیلمہ کے اس پیغام کے جواب میں کہ "آپ تمام عرب کو اپنے زیر نگیں لانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ عرب کا نصف علاقہ میرا ہے' اور نصف علاقہ قریش کا' لیکن قریش عدل وانصاف سے کام لینا بالکل نہیں جانتے" آپؐ نے تحریر فرمایا تھا۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف "میں نے تمہارا خط سنا۔ جو سرتا پا خرافات پر مشتمل تھا۔ تم نے عرب کے نصف حصے پر اپنا حق جتایا ہے' لیکن ساری زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ اور وہ اپنے نیک بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے"۔ مسیلمہ کو دعویٰ نبوت کی بنا پر کذاب کہا گیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں اس سے قتال کیا گیا۔ اور ایران جنگ کو لونڈی وغلام بنایا گیا۔ اس طرح اس کذاب اور اس کے پیروکاروں کا خاتمہ ہوا۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور میں بنواسد کا ایک سردار "طلیحہ" نامی بھی داعیٔ نبوت تھا۔ مگر اس نے آپؐ کی حیات میں دعویٰ کرنے کی

جرأت نہ کی۔ ہاں آنحضرتؐ کے وصال کے بعد دعویٰ نبوت عام کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں اس کے خلاف بھی حضرت خالد بن ولیدؓ کی سربراہی میں قتال کیا گیا۔ اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے اسے شکست فاش دی۔ طلیحہ اسدی نبوت کے دعویٰ سے تائب ہوا۔ اور وہ دوبارہ اسلام کی صفوں میں شامل ہو گیا۔ پھر ساری عمر استقامت کے ساتھ عقیدہ اسلام اور عقیدۂ ختم نبوت پر کار بند رہا۔

(۳) اسود عنسی یمن کا رہنے والا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور میں دعویٰ نبوت کیا۔ اور حاکم یمن کی وفات کے بعد یمن کا حاکم بن بیٹھا۔ وہ جادوگری کیا کرتا تھا۔ اور خفیہ طور پر ٹونے ٹوٹکوں کا کام کیا کرتا تھا۔ جب اس کے کاروبار کو کچھ ترقی ہوئی تو اس نے یمن میں متعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال کو وہاں سے نکال دیا۔ اور یمن اور نجران میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی زیادہ اہمیت نہ دی۔ یمن میں رہنے والے صحابہ نے خود ہی اس کا قصہ پاک کر دیا۔

درج بالا مدعیان نبوت کے احوال سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ داعیٔ نبوت کے خلاف صحابہ کرام جہاد کو جائز بلکہ ضروری قرار دیتے تھے۔ داعی نبوت کو توبہ کا موقع تو حضور اکرمؐ نے بھی دیا ہے اور صحابہ کرام بھی اس اصول پر کار بند تھے جیسے کہ طلیحہ اسدی کو یہ موقع دیا گیا۔ ان کے نزدیک حضور نبی اکرم خاتم النبیین (آخری نبی) تھے۔

اب ہم اجماع امت کے طور پر علمائے اسلام کے تصوّر ختم نبوت کے بارے میں چند آراء نقل کرتے ہیں تاکہ اجماع صحابہ کے بعد اپنے دعویٰ کو جمہور امت کی آراء کی روشنی میں ثابت کر سکیں اور کسی اعتراض یا کٹ حجتی کی گنجائش نہ رہے۔

(۱) حضرت امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا' اور کہا کہ مجھے موقع دو کہ میں نبوت کی علامات پیش کروں۔ اس پر امام اعظمؒ نے فرمایا۔ کہ "جو شخص اس سے نبوت کی کوئی علامت طلب کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں۔ لانبیّ بعدی (میرے بعد کوئی نبی نہیں..... مناقب امام اعظم ابی حنیفہؒ از ابن احمد المکی جلد نمبر ۱)

(۲) امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ "اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے'

چیدہ نبی اور پسندیدہ رسول ہیں۔ اور وہ خاتم الانبیاء' امام الاتقیاء' سید المرسلین' حبیب رب العالمین ہیں۔ اور ان کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ گمراہی اور خواہش نفس کی بندگی ہے (فی العقیدۃ السلفیہ) (شرح الطحاویہ)۔

(۳) علامہ ابن حزمؒ اندلسی فرماتے ہیں۔ یقیناً وحی کا سلسلہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ختم ہو چکا ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ "محمد نہیں ہیں تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ مگر وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں۔ (المحلی جلد نمبر ۱)

(۴) قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں۔ "اور جو کوئی اپنے لئے نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ یا یہ خیال کرتا ہے کہ کوئی اسے حاصل کر سکتا ہے' اور اس طرح طہارت قلبی کے باعث یہ نبوت کا منصب حاصل کر سکتا ہے۔ جیسے کہ کچھ فلاسفر اور نام نہاد صوفی یہ دعویٰ کرتے ہیں' اور اسی طرح جو کوئی پیغمبر ہونے کا دعویٰ تو نہیں کرتا۔ لیکن وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اس طرح کے تمام لوگ کافر ہیں۔ اور منکرین پیغمبرؐ ہیں۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے ہمیں مطلع کیا ہے کہ وہ آخری نبی ہیں۔ اور یہ کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا"۔ (الشفاء جلد ۲)

(۵) علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں کہ "اگر کوئی شخص اس بات پر یقین نہیں رکھتا کہ محمدؐ آخری نبی ہیں' وہ مسلمان نہیں۔ کیونکہ یہ عقیدہ مبادیات میں سے ایک ہے۔ (الاشباہ و النظائر جلد نمبر ۳)

(۶) علامہ شہرستانی "الملل و النحل" میں لکھتے ہیں کہ "جو کہے کہ نبی اکرمؐ کے بعد (بجز حضرت عیسیٰ) کوئی نبی آنے والا ہے تو اس کے کافر ہونے میں دو آدمیوں میں بھی اختلاف نہیں۔

(۷) ملا علی قاری "شرح فقہ اکبر" میں لکھتے ہیں کہ ہمارے نبیؐ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بالا جماع کفر ہے"۔

(۸) فتاویٰ عالمگیری میں مندرج ہے کہ "اگر آدمی یہ نہ سمجھے کہ نبیؐ آخری نبی ہیں تو وہ مسلم نہیں ہے۔ اور اگر کہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ یا میں پیغمبر ہوں تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ (فتاویٰ عالمگیری جلد دوم)

(۹) امام غزالیؒ نے "معارج القدس" اور "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں نبوت اور ختم نبوت کے بارے میں طویل گفتگو کی ہے۔ جسے یہاں نقل کرنا باعث طوالت ہو گا۔

مولانا مودودی صاحبؒ نے تفسیر سورۃ الاحزاب ضمیمہ ختم نبوت میں امام صاحب کی اس طویل بحث کو عربی اور اردو دونوں زبانوں میں نقل کیا ہے۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا شاہکار کی قسط ۱۸ میں زیرِ عنوان ختم نبوت امام غزالی کا ایک مختصر سا اقتباس درج ہے' جو کہ درجہ ذیل ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں:۔ امت نے بالاتفاق لفظ "لا نبی بعدی" سے اور نبی کریمؐ کے اقوال و احکام سے یہ سمجھا ہے۔ کہ حضور کا مطلب یہ تھا کہ آپ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا' نہ رسول' نیز امت کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اس میں کسی تاویل اور تخصیص کی گنجائش نہیں ہے۔ (الاقتصاد فی الاعتقاد المطبعۃ الادبیہ مصر)

(۱۲) قاری محمد طیب دیوبندیؒ نے لکھا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو رسالت کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ کیونکہ ان کے بعد زمانے کو کسی نبی اور شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہی"۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے "حجتہ اللہ البالغہ" میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے "مدارج النبوت" میں حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے خطوط میں اور رسالہ اثبات النبوۃ میں "ختم نبوت" پر بہت کچھ لکھا ہے' جسے یہاں نقل کرنا طوالت کا باعث ہو گا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے بھی اسی موضوع پر اپنی تصانیف "غنیۃ الطالبین اور الفتح الربانی" میں اقوال قلمبند کئے ہیں۔ تفصیل کے لئے اصل کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

اب ہم ان چند اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔ جن کو بنیاد بنا کر منکرین ختم نبوت اپنے انکار کے حق میں بودی دلیلیں تلاش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت عائشہ سے روایت کردہ ایک حدیث منکرین ختم نبوت سند کے طور پر لاتے ہیں۔ وہ حدیث درج ذیل ہے:۔ عن عائشۃ قالت انہ خاتم الانبیاء ولا تقولوا لا نبی بعدہ (کہو کہ رسول اکرمؐ آخری نبی ہیں' لیکن یہ مت کہو کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا)۔ یہ روایت کئی وجوہ سے ناقابل اعتبار ہے۔ سب سے پہلی تو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ جب آنحضورؐ' قرآن یا سنت کے الفاظ کا مطلب یا ان کی شرح بیان کرتے ہیں۔ تو انؐ کے

مقابلے میں لغت کے معنی یا کسی اور مطلب یا شرح (جیسی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے منسوب ہے) کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس روایت کو حدیث کے کسی مستند مجموعے میں شامل نہیں کیا گیا۔ تیسری وجہ یہ ہے۔ کہ اس روایت کی سند معتبر نہیں ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اسے کسی مسلمان عالم نے قابل اعتماد نہیں سمجھا۔ اور پھر حضور اکرمؐ کے صریح ارشادات کے مقابلے میں اس مجروح روایت کی کیا حیثیت ہے۔

دوسری قابل ذکر حدیث جو ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے بیان کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آنحضورؐ نے اپنے فرزند کے حوالے سے فرمایا کہ "اگر وہ زندہ رہتے تو سچے نبی ہوتے"۔ اس حدیث کو امام ابن الجوزی نے موضوعات کبیر میں جھوٹ اور غلط قرار دیا ہے۔ راویوں کے سلسلے میں ابو شعبہ نامی راوی غیر معتبر ہے۔ امام ترمذی کے نزدیک وہ قابل اعتبار نہیں اور امام نسائی کے نزدیک ضعیف ہے۔ امام احمد کا ارشاد ہے۔ کہ "اس روایت میں کوئی وزن نہیں"۔ امام ابو حاتم نے اسے (ابو شعبہ کو) حدیث کے معاملے میں ناقابل اعتبار بتایا ہے۔ ان تمام وجوہ کی بناء پر روایت کی ثقاہت مشکوک ہو گئی ہے۔ اور روایت قابل اعتبار نہیں رہی

تیسری دلیل جس کو منکرین ختم نبوت حجت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ وہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کا دوبارہ نزول ہے۔ ان کے بقول جب حضرت عیسیٰؑ کے آنے سے تصورِ ختم نبوت مجروح نہیں ہوتا۔ تو دوسرے مدعیان نبوت کی آمد سے یہ عقیدہ کیسے مجروح ہو سکتا ہے۔ ان کی اس دلیل کا محاکمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰؑ دوبارہ نزول فرمائیں گے۔ خوف طوالت روایات کو نقل کرنے سے مانع ہے۔ قومی ڈائجسٹ کے قادیانی نمبر (ص ۲۷۹ ۲۸۸) میں فاضل مرتب نے اکیس مستند روایات لکھی ہیں۔ جو کہ حدیث کی معتبر کتابوں سے نقل کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ "سیرت سرور عالمؐ" میں مولانا مودودیؒ نے (جلد نمبر ا) "نزول مسیح" کے موضوع پر کافی بحث کی ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ نزول کے بعد ان کی حیثیت کے ثبوت میں صرف تین آراء پیش کی جاتی

ہیں۔

(۱) علامہ تفتازانی "شرح عقاید نسفی" میں لکھتے ہیں۔ "یہ بات ثابت ہے کہ محمدؐ آخری نبی ہیں اگر کہا جائے کہ آپ کے بعد عیسیٰؑ کے نزول کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ ہاں آیا ہے۔ مگر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوں گے۔ کیونکہ ان کی شریعت تو منسوخ ہو چکی ہے۔ اس لئے نہ اُن کی طرف وحی ہوگی۔ اور نہ وہ احکام مقرر کریں گے۔ بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے کام کریں گے"

(۲) علامہ محمود آلوسی تفسیر روح المعانی جلد نمبر ۲۲ صفحہ ۳۲ پر ارقام فرماتے ہیں۔ "پھر عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے۔ تو وہ اپنی سابق نبوت پر باقی ہوں گے بہر حال اس سے معزول تو نہ ہو جائیں گے۔ مگر وہ اپنی پچھلی شریعت کے پیرو نہ ہوں گے۔ کیونکہ وہ (پچھلی شریعت) اُن کے اور دوسرے سب لوگوں کے حق میں منسوخ ہو چکی ہے۔ اور اب وہ اصول اور فروع میں اس شریعت کی پیروی کے مکلف ہوں گے لہٰذا ان پر نہ اب وحی آئے گی۔ اور نہ انہیں احکام مقرر کرنے کا اختیار ہو گا۔ بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور آپؐ کی امت میں امت محمدیہؐ کے حاکموں میں سے ایک حاکم کی حیثیت سے کام کریں گے"

(۳) امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر کی جلد نمبر ۳ صفحہ ۳۴۳ پر فرماتے ہیں۔ "انبیاء کا دور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک تھا۔ جب آپ مبعوث ہو گئے۔ تو انبیاء کی آمد کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اب یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نازل ہونے کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوں گے"[۳۷]

اب آخر میں نبوت کے خاتمہ کی ایک اور وضاحت کر کے اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے کہ صرف چار حالتیں ایسی ہیں جن میں انبیاء مبعوث ہوئے ہیں۔ اول یہ کہ کسی قوم میں پہلے کوئی نبی نہ آیا ہو اور کسی دوسری قوم میں آئے ہوئے نبی کا پیغام بھی اس تک نہ پہنچ سکتا ہو۔ دوم یہ کہ پہلے گزرے ہوئے نبی کی تعلیم بھلا دی گئی ہو۔ یا اس میں تحریف ہو گئی ہو۔ حتیٰ کہ پیروی ناممکن ہو جائے۔ سوم یہ کہ پہلے گزرے ہوئے نبی کے ذریعے مکمل تعلیم و ہدایت لوگوں کو نہ ملی ہو۔ لہٰذا تکمیل دین کے لئے مزید انبیاء کی

ضرورت ہو۔ چہارم یہ کہ ایک نبی کے ساتھ اس کی مدد کے لئے ایک اور نبی کی حاجت ہو۔ اب ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بھی وجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باقی نہیں رہتی۔ جو کہ ضرورتِ نبوت کا تقاضا کرے۔ قرآن مجید ہی میں متعدد مقامات پر بالتصریح بیان موجود ہے کہ ہر علاقے اور ہر قوم کی طرف ہادیٔ رسول یا ڈرانے والا بھیجا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات قرآن وحدیث کی شکل میں محفوظ و مامون ہیں اور یہ بھی آپؐ کا ایک معجزہ ہے کہ قرآن میں ایک شوشہ کی بھی آج تک تحریف نہیں ہو سکی۔ اس لئے کہ خود اللہ نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ دین اسلام ایک مکمل ضابطہ ہے سورۃ المائدہ میں اس دین کو مکمل اور اس نعمت کو تمام قرار دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کو عالمین کی طرف رحمت اور ساری دنیا کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

اب میں اپنے مضمون کو علامہ اقبال کے نظریئے پر ختم کرتا ہوں۔ عقیدہ ختم نبوت کو حتی المقدور واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب راستہ پکڑنا انسانوں کے اپنے بس میں ہے یا پھر خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہدایت کا دارومدار ہے جو صراط مستقیم پر چل پڑا اس کی خوش بختی ہے اور جو رہ گیا وہ سمجھ لے کہ خدا نے اسے ہدایت کی توفیق ہی نہیں دی۔

پسؔ خدا بر ما شریعت ختم کرد　　بر رسول ما رسالت ختم کرد

رونق از ما محفلِ ایام را　　او رسلؑ را ختم و ما اقوام را

خدمتِ ساقی گری با ما گذاشت　　داد مارا آخریں جامے کہ داشت

لانبی بعدی احسانِ خدا است　　پردۂ ناموس دینِ مصطفیٰؐ است

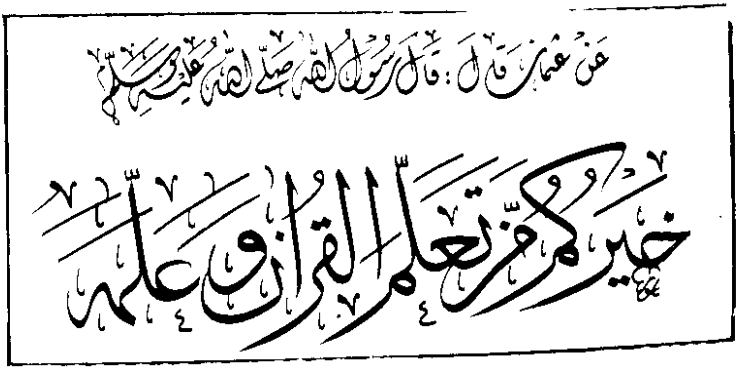

لطف الرحمٰن خان

کیا عربی زبان مشکل ہے؟

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی ہارنے کے بعد برِصغیر پر انگریزوں کا تسلط مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد عیسائیت کی تبلیغ کے لئے پادریوں کا لشکر حملہ آور ہوا اور روپیہ پانی کی طرح بہایا جانے لگا۔ کچھ عرصہ بعد اس وقت کے برطانیہ کے وزیرِ اعظم کو خیال آیا کہ تبلیغی مشن پر بے تحاشا روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے۔ معلوم کیا جائے کہ اس کا نتیجہ کیا نکل رہا ہے۔ اس کے طلب کرنے پر جب نتائج اس کے سامنے آئے تو وہ انتہائی مایوس کُن تھے۔ چنانچہ اس نے تبلیغی مشن کے سربراہ کو طلب کیا اور اس سے سوال کیا کہ اتنے وسائل ضائع کر کے یہ نتیجہ حاصل کرنے سے بہتر کیا یہ نہیں ہے کہ اس مشن کو ختم کر دیا جائے؟ مشن کے سربراہ نے جواب دیا کہ جناب دراصل آپ ہمارے مشن کے اصل مقصد کو نہیں سمجھ سکے۔ ہمارا مشن یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو عیسائی بنایا جائے۔ بلکہ ہمارا اصل مشن یہ ہے کہ مسلمانوں کو مسلمان نہ رہنے دیا جائے ـــــ اور تاریخ گواہ ہے کہ وہ اپنے اس اصل مشن میں پوری طرح کامیاب رہے۔

اس مشن کی تکمیل کے لئے انہوں نے بے شمار ہتھکنڈے استعمال کئے۔ مثلاً لفظ مُلّا اسلامی معاشرہ میں ایک ایسا ہی معزز خطاب تھا۔ جیسے انگریزی معاشرہ میں "سَر" کا خطاب ہے۔ لیکن آج ہمارے معاشرہ میں مُلّا بطور گالی استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح کی اور مثالوں سے یہ بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انہوں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اسلامی شعائر اور تشخص کو ہماری نظر میں نہ صرف بے وقعت کر دیا بلکہ اس کے خلاف نفرت بھی پیدا کر دی۔

انگریزوں کو ان کے "اصل مشن" میں کلیدی کامیابی اس وقت حاصل ہوئی،

جب وہ ہم کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے کہ عربی زبان بہت مشکل ہے ۔ اس کو پڑھنا اور سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے ۔ اس زہریلے پروپیگنڈے کے پیچھے دراصل جو رُوح کارفرما ہے ، وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ان کے سرچشمۂ ہدایت یعنی قرآن و حدیث سے رابطہ منقطع کر دیا جائے ۔ تاکہ ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے والا بچّہ خواہ کچھ بھی بنے لیکن مسلمان نہ بن سکے ۔

رہی سہی کسر ہمارے عربی داں طبقہ نے پوری کر دی ۔ وہ اسلام دشمنی میں نہ سہی لیکن نادان دوستی میں عموماً یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ عربی بہت مشکل ہے ۔ اس طرح اسلام دشمن عناصر کو سند مل جاتی ہے ۔ دونوں کی نیتیں خواہ کتنی ہی مختلف ہوں لیکن نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے یعنی ہمارے سرچشمۂ ہدایت سے ہمارا رشتہ کٹ جاتا ہے ۔

ان حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ صحیح صورت حال واضح ہو اور ہمیں حقیقت کا علم ہو کہ عربی زبان دراصل کتنی مشکل یا کتنی آسان ہے ؟ اس حقیقت کو جاننے کے لئے پہلی بات ہمیں یہ سمجھ لینی چاہئے کہ دنیا میں کسی بھی زبان کو سیکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ محنت تو کرنا ہی پڑے گی ۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ جس زبان کی گرامر (صرف و نحو) کے قواعد زیادہ جامع ہوں گے اور جس میں قواعد کلیہ (General Rules) زیادہ اور استثناءات (Exeptions) کم ہوں گے اس زبان کا سیکھنا نسبتاً آسان ہو گا ۔ اس لئے کہ ہمیشہ پہلے کوئی زبان وجود میں آتی ہے اور بعد میں اس کی گرامر ترتیب دی جاتی ہے ۔

اور دنیا کی کسی بھی زبان میں اس کی گرامر کے قواعد کا اطلاق اس زبان کے الفاظ کی اکثریت پر ہوتا ہے ۔ یہ قواعد نسبتاً تھوڑے ہوں گے اور اگر استثناءات زیادہ ہوئے تو قواعد میں کثرت بھی ہو گی اور ان کے سیکھنے میں دقت اور الجھن بھی زیادہ ہو گی ۔ گویا اصولی بات یہ سمجھ لیجئے کہ جس زبان کی گرامر زیادہ سے زیادہ الفاظ پر حاوی ہو گی یعنی قواعد کلیہ زیادہ ہوں گے تو یقیناً اس کی گرامر کو سمجھنے میں نسبتاً زیادہ محنت درکار ہو گی لیکن ایک مرتبہ جب گرامر سمجھ میں آگئی تو خود اس زبان کو سمجھنا بہت آسان ہو جائے گا ۔ اس لئے کہ گرامر کے قواعد سے استثناء کی صورتیں کم سے کم ہوں گی ، جو کہ کسی زبان کو سمجھنے میں درحقیقت مشکلات

پیدا کرتی ہیں۔ اس کے برعکس جس زبان کی گرامر نسبتاً کم الفاظ پر حاوی ہوگی، اس کی گرامر کو سمجھنے میں محنت بھی زیادہ درکار ہوگی اور اس زبان کو سمجھنے میں زیادہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ اس میں استثنا نسبتاً زیادہ ہوں گے۔

عربی زبان کے متعلق دنیا کے ماہرین لسانیات کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ عربی کی گرامر دوسری زبانوں کے مقابلہ میں مکمل ترین ہے یعنی اس زبان میں قواعد سے استثنا کی صورتیں دوسری زبانوں کے مقابلہ میں سب سے کم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عربی کو سب سے زیادہ سائنٹفک زبان تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ عربی گرامر سمجھنے کے بعد اس زبان کو سمجھنا بہت آسان ہوجاتا ہے جبکہ دنیا کی دوسری زبانوں کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔

اس بات کو ہم چند مثالوں سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عربی میں فعل ماضی سے فعل مضارع (وہ فعل جو حال اور مستقبل دونوں کے معنی دیتا ہے) بنانے کچھ قواعد مقرر ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ایک طالب علم کو یہ قواعد سمجھنے اور یاد کرنے میں کچھ وقت صرف کرنا پڑے گا اور تھوڑی سی محنت بھی کرنی ہوگی لیکن ایک مرتبہ جب اس نے قواعد کو سمجھ کر یاد کر لیا تو اب اس کا کام آسان ہوگیا مثلاً کسی فعل کا صرف ماضی اور اس سے اس کا مضارع بنانے کے کچھ مقررہ قواعد سیکھ لیں۔ ان کو سمجھ لینے سے عربی زبان میں فعل کے صیغوں کو سمجھنا آسان ہوجاتا ہے اور اس طرح زبان کو سمجھنے کا کام آسان ہوگیا۔ برخلاف اس کے فارسی میں ماضی سے مضارع بنانے کا کوئی قاعدہ نہیں ہے۔ فارسی گرامر کے طالب علم کا کام فعل کی گردان تک تو اگرچہ ہلکا ہوگیا لیکن زبان کو سمجھنے کے لئے اسے جو مشکل پیش آئے گی، اس کا اندازہ کرنے کی کوشش کیجئے۔ ذخیرہ الفاظ کے لئے اسے ہر فعل ماضی کے ساتھ ساتھ اس کا مضارع بھی یاد کرنا پڑے گا۔ کیونکہ مصدر سے مضارع بنانے کا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ یہ بات نہ صرف زیادہ محنت طلب ہے بلکہ زبان کو سمجھنے میں رکاوٹ بھی ہے۔

اسی طرح عربی میں افعال اور اسماء (مشتقّہ) کے کچھ مقرر وزن ضرور یاد کرنے پڑتے ہیں۔ مثلاً اسم ظرف یعنی کسی کام کے کرنے کی جگہ یا وقت کے لئے لفظ بنانے کے لئے مَفْعَلٌ اور مَفْعِلٌ کا وزن مخصوص ہے۔ طالب علم کو یہ وزن یاد کرنا ہوگا لیکن اس کے بعد اس کا کام آسان ہو

جاتا ہے۔ ذخیرہ الفاظ میں اسے صرف فعل ماضی کا صیغہ معلوم ہونا چاہیئے۔ اس سے اسم ظرف وہ خود بنالے گا۔ جیسے قَتَلَ کے معنیٰ ہیں 'اس نے قتل کیا' اس سے مَقْتَلٌ کا لفظ وہ خود بنالے گا جس کے معنیٰ ہیں 'قتل کرنے کی جگہ' یا سَجَدَ کے معنیٰ ہیں 'اس نے سجدہ کیا' اس سے 'مَسْجِدٌ' وہ خود بنالے گا جس کے معنی ہیں 'سجدہ کرنے کی جگہ'۔

اسی طرح کسی کام کے کرنے کے آلہ کا لفظ بنانے کے اوزان بھی مخصوص ہیں۔ جیسے 'فَتَحَ' کے معنی ہیں 'اس نے کھولا' اب کھولنے کے آلہ یعنی کنجی کا لفظ مِفْعَالٌ کے وزن پر 'مِفْتَاحٌ' بنے گا۔ اسی طرح کسی کام کے کرنے والے اور جس پر کام کا اثر ہو' دونوں کے الفاظ بنانے کے بھی مخصوص اوزان ہیں۔ جیسے 'قتل کرنے والا' 'سجدہ کرنے والا' اور 'کھولنے والا' ان سب کے الفاظ 'فَاعِلٌ' کے وزن میں 'قَاتِلٌ' 'سَاجِدٌ' اور 'فَاتِحٌ' بنیں گے۔ اور 'مَفْعُوْلٌ' کے وزن پر 'مَقْتُوْلٌ' 'مَسْجُوْدٌ' اور 'مَفْتُوْحٌ' بنیں گے۔

آپ نے دیکھا کہ چند قواعد اور اوزان یاد کرنے کی وجہ سے زبان کو سمجھنے کا کام کتنا آسان ہوگیا۔ فعل کے صرف ماضی کا صیغہ اگر معلوم ہو تو اس سے متعلق فعل حال یا فعل مستقبل اور ظرف (جگہ یا وقت) آلہ۔ فاعل مفعول وغیرہ کے الفاظ یاد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کے بنانے کے قواعد کلیہ موجود ہیں۔ یہ سہولت دوسری زبانوں میں یا تو موجود ہی نہیں ہے اگر ہے بھی تو اتنی باضابطہ اور ہمہ گیر نہیں ہے۔ اب آپ خود انصاف کریں کہ عربی کا طالب علم قواعد (گرامر) کو سمجھنے اور ذہن نشین کرنے میں چند ماہ صرف کرکے زبان کو سمجھنے میں کتنی محنت اور کتنا وقت بچالیتا ہے۔ مخالفین اسلام عربی قواعد کے حوالہ سے شور مچاتے ہیں کہ عربی بڑی مشکل ہے لیکن اس حقیقت کا کوئی حوالہ نہیں دیتے کہ قواعد میں کلیت اور جامعیت پائے جانے کے باعث ان قواعد کو سمجھنے کے بعد زبان سمجھنا کتنا آسان ہوجاتا ہے۔ مشکل کا ذکر کرنا اور اس مشکل سے کھلنے والی آسانی کی راہوں کا ذکر نہ کرنا کم از کم بھی علمی دیانت داری تو نہیں ہے۔

اسی طرح ہمارے پڑھے لکھے طبقہ کو یہ یقین دلا دیا گیا ہے کہ عربی لغت (DICTIONARY)

۵۰

دیکھنا بہت مشکل ہے۔ اس کے بین السطور گویا یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ انگریزی لغت دیکھنا بہت آسان ہے۔ آئیے اس کا بھی تجزیہ کرکے دیکھ لیں کہ حقیقت کیا ہے۔

عربی میں کسی لفظ کے فعل ماضی کے پہلے صیغہ یعنی واحد مذکر غائب میں جو حروف ہوتے ہیں وہ اس لفظ کے اصلی حروف ہوتے ہیں۔ انہیں مادّہ بھی کہتے ہیں۔ اب فعل ماضی سے جتنے بھی لفظ بنیں گے ان میں یہ حروف اصلی موجود ہوں گے۔ جیسے "قَتَلَ" کے حروف اصلی "ق، ت اور ل" ہیں۔ اب مَقْتَلٌ۔ قَاتِلٌ۔ مَقْتُوْلٌ سب میں ق۔ت۔ل موجود ہیں۔ عربی کے طالب علم کو اوزان کا علم ہونے کے بعد کسی بھی لفظ کے حروف اصلی پہچاننے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ اب حروف اصلی پہچاننے سے اسے اس لفظ کے فعل ماضی کا علم ہوگیا۔ اگر اس کے معنی اسے نہیں معلوم تو اسے لغت دیکھنے میں کوئی مشکل نہیں پیش آئے گی۔ اس لئے کہ لغت میں تمام لفظوں کے مادے ایک خاص ترتیب سے درج ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ ان سے بننے والے تمام افعال کے معنی لکھے ہوتے ہیں۔ اور مشتق یعنی قواعد کے مطابق مقررہ وزن پڑھنے والے الفاظ کے معنی لکھنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی بلکہ فعل کے معنوں سے ہی ان کے معنی سمجھے جاسکتے ہیں۔

انگریزی کی طرف آئیں تو وہاں بھی لغت دیکھنے کے لئے ایک خاص سطح تک زبان کا فہم ہونا ضروری ہے۔ اسم (NOUN) اور فعل (VERB) میں جب تک آپ واضح تمیز نہ کرسکتے ہوں اور فعل (VERB) کی مختلف حالتوں سے بھی جب تک آپ کو آگاہی نہ ہو آپ کے لئے لغت بے معنی ہے۔ مثلاً WENT کے معنی W کی پٹی میں دیکھنا حماقت ہوگی۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ کسی انگریزی لفظ کے معنی تلاش کرنے کے لئے آپ لغت اس وقت تک نہیں دیکھ سکتے جب تک آپ کو اس کے ہجاء (SPELLING) بھی نہ یاد ہوں۔ اب آپ خود فیصلہ کرلیں کہ چند اوزان یاد کرنا مشکل ہے یا ہر ہر لفظ کے ہجاء یاد کرنا۔ اور عربی لغت دیکھنا مشکل ہے یا انگریزی لغت دیکھنا!

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

اس سلسلہ میں ایک اہم بات کو بھی ہم نظر انداز کر جاتے ہیں۔ یہ ایک بیّن حقیقت ہے کہ عربی کے بے شمار الفاظ اردو میں استعمال ہوتے ہیں۔ ہم ان کے معنیٰ اور مفہوم سے بخوبی واقف ہیں۔ اس طرح اردو جاننے والوں کے لئے تو عربی سیکھنا مزید آسان ہو جاتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے ہی ذہنوں میں یہ بات ٹھونک ٹھونک کر بٹھا دی گئی ہے کہ عربی بہت مشکل ہے اور المیہ یہ ہے کہ ہم نے اس پر یقین بھی کر لیا ہے۔ ؎

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے۔

ہمارے پڑھے لکھے طبقہ میں عربی کے متعلق اس غلط فہمی کو عام کرنے میں اس کے پرانے طریقۂ تعلیم کا بھی بڑا دخل ہے۔ یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ کم عمر کے لڑکوں کے لئے عربی کا پرانا طریقۂ تعلیم کس حد تک موزوں ہے؟ اس سلسلہ میں حتمی طور پر کوئی بات کہنا اس وقت تک مناسب نہیں ہے جب تک اس مسئلہ پر باضابطہ تحقیق نہ ہو جائے۔ البتہ ایک بات قطعی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ پرانا طریقۂ تعلیم رٹے (CRAMMING) پر مبنی ہونے کے باعث بالغوں کے لئے یقیناً ناموزوں ہے۔ خوش قسمتی سے اس سلسلہ میں کافی کام ہو چکا ہے اور ایسے ادارے وجود میں آ چکے ہیں جو جدید طریقہ پر بالغوں کو عربی کی تعلیم دے رہے ہیں۔ اور طریقۂ تعلیم کو بہتر بنانے کا کام ابھی جاری ہے۔ اس سمت میں مزید تحقیق و جستجو اور خوب سے خوب تر کی تلاش کا سفر جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گا۔ لیکن بہرحال عربی تعلیم کی راہ میں حائل ایک بڑی رکاوٹ کو دور کیا جا چکا ہے اور یہ بات اطمینانِ قلب کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ عربی زبان کا سیکھنا اور سمجھنا دوسری زبانوں کی نسبت آسان ہے۔ لیکن ہم اس پر غور نہیں کرتے۔ اس ضمن میں ہمارا رویہ اُس شخص کا سا ہے جس سے کسی نے کہا تھا کہ کوّا تمہارا کان لے گیا اور وہ شخص یہ دیکھے بغیر کہ اس کا کان موجود ہے یا نہیں کوّے کے پیچھے بھاگ کھڑا ہوا۔

یہ کتنی واضح حقیقت ہے کہ ہم لوگوں کے بچے نرسری سے A B C D پڑھنا شروع کر دیتے ہیں پھر ۱۴۔۱۵ سال کی محنت شاقہ کے بعد جب وہ BA کرتے تو انگریزی زبان میں ان کی جو بھی استعداد ہوتی ہے، وہ ہم میں سے کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ـــــ البتہ یہی بچے اپنی دفتری اور کاروباری ضرورت کے تحت جب انگریزی پڑھنے، لکھنے اور بولنے

کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناتے ہیں، تو ان کی استعداد میں قابلِ قدر اضافہ ہوتا ہے۔
دوسری طرف عربی کا طالب علم صرف دو سال کی نارمل محنت کے بعد عربی میں جو استعداد حاصل کرتا ہے وہ ایک B.A پاس نوجوان کی انگریزی استعداد سے بہت بہتر ہوتی ہے۔
اتنے واضح ثبوت کی موجودگی میں یہ کہنا کہ عربی بہت ہی مشکل ہے، ایک کھلا جھوٹ ہے۔ صریح ظلم ہے۔ خدارا "اصل حقیقت" کو سمجھیں۔ خود بھی سمجھیں اور دوسروں کو بھی سمجھائیں۔
اور حقیقت یہی ہے کہ ایک ہی استعداد اور ذہانت کے طلبہ کو یکساں روزانہ وقت دے کر باقی زبانوں کے مقابلے پر عربی زبان کی تعلیم میں نسبتاً بہتر معیار حاصل کیا جا سکتا ہے یا نسبتاً کم وقت میں زیادہ تعلیمی ترقی حاصل ہو سکتی ہے

★★

بقیہ: ڈیپریشن کا علاج

بہت سی بیماریاں ایسی ہیں جن کا علاج ابھی تک دریافت نہیں ہوا ہے یعنی سرطان اور ایڈز (AIDS) وغیرہ ــــ لیکن مندرجہ بالا حدیث کے آئینے میں یہ بات سو فیصد وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ بیماریاں بھی لاعلاج نہیں ہیں۔ لہٰذا نفسیاتی بیماریوں کا بہترین علاج "سکونِ قلب" ہی میں مضمر ہے جو ذکرِ الٰہی اور نماز کے ذریعے ہی ممکن ہے تاکہ روحانی اور نفسانی صفائی و پاکیزگی کا موجب بنے۔ درحقیقت ہم کسی بھی بیماری کی احتیاط اور روک تھام کے لئے اسلام کے صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہ کر سرخرو ہو سکتے ہیں جیسا کہ آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبویؐ اور سنتِ نبویؐ سے ثابت ہے۔

تبصرہ کتب

کتاب کا نام : نقد الحدیث لدی المسلمین مع دراسۃ موضوعات ابن ماجہ (بالانجلیزیہ)
بھی لکھا گیا ہے تاہم کتاب انگریزی زبان میں ہے اور اس کا عنوان ہے:

'CRITICISM OF HADITH AMONG MUSLIMS WITH REFRENCE TO SUNAN IBN MAJA'

مصنف : مولانا صہیب حسن عبدالغفار

ناشر : (i) Ta ha Publishess, Wynne Road, London.
(ii) Al-Quran Society, Belmont Road, London

تعداد صفحات: ۲۵۴ قیمت تین پونڈ برطانوی

مسلمانوں نے اپنے پیغمبرؐ کی سنّت اور سیرت کی حفاظت کے لئے کس قدر محنت اور کاوش کی؟ ـــــ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نسبت سے بیان کی جانے والی ہر بات کی صحت اور صداقت کی جانچ اور پرکھ کے لئے بڑی بیدار مغزی کے ساتھ تنقید کا ایک علمی معیار قائم کیا۔ اس مقصد کے لئے ان کے اہلِ علم نے روایت اور درایت کے اصول وضع کئے۔ روایتِ حدیث میں "اسناد" کو صحتِ روایت کی ایک اہم اساس ٹھہرایا۔ شریکِ روایت تمام راویوں کے نام بترتیب بتانے کے ساتھ یہ تحقیق بھی ضروری قرار دی کہ ان کا چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی ذہن رکھنے والے تھے یا دقیقہ بین؟ عالم تھے یا جاہل؟ اس قسم کی جزئی باتوں کا پتہ چلانا سخت مشکل اور دشوار کام تھا۔ سینکڑوں ہزاروں محدّثین نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کردیں۔ وہ ایک ایک شہر گئے۔ راویوں سے ملے۔ ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات بہم پہنچائیں۔ جو لوگ ان کے زمانے میں موجود نہ تھے ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کئے ـــــ اور اس ساری تحقیقات کے نتیجے میں "اسماء الرجال" کا وہ عظیم الشان فن تیار ہوگیا جس کی بدولت آج کم از کم ایک لاکھ سے زیادہ شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں اور اگر ـــــ بقول مولانا شبلی نعمانیؒ ـــــ ڈاکٹر اسپرنگر (SPRENGER) کے حسنِ ظن کا اعتبار کیا جائے تو یہ تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔ کیونکہ علم اسماء الرجال کی مشہور کتاب "الاصابہ" کا جو نسخہ ڈاکٹر موصوف کی تصحیح کے ساتھ کلکتہ سے چھپا تھا، اس کے دیباچہ میں انہوں نے لکھا تھا کہ "نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی

گزری، نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال ساعظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔ جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔"

روایتِ حدیث کے سلسلے میں روایت کی اسناد اور رواۃ حدیث پر ناقدانہ بصیرت کے ساتھ نظر رکھتے ہوئے، محدثین نے ردّ وقبولِ حدیث کے لحاظ سے احادیث کے مختلف مدارج مقرر کئے اور ان کے لئے اصطلاحات وضع کیں۔ جسے مختصراً علم اصول الحدیث کہا جاتا ہے ـــــ صحاح ستہ اور حدیث کے دوسرے اہم مجموعوں کے مؤلفین نے ان تمام اصولوں اور علم الرجال کے اس وسیع مواد سے استفادہ کرتے ہوئے "صحیح" احادیث کی نشاندھی کرنے اور ان کو یکجا (ایک کتاب کی شکل میں) جمع کرنے کا کام کیا۔ بلکہ اپنی تحقیق کے نتائج کی جانچ پڑتال کا کام آئندہ نسلوں کے اہلِ علم کے لئے کھلا (OPEN) رکھنے کے لئے اپنی تخریج کردہ روایات کے ساتھ ان کی مکمل "اسناد" بھی بیان کر دیں۔ جن کی بدولت آج بھی کوئی اہلِ علم اصولِ روایت اور علم الرجال کی روشنی میں کسی حدیث کا "درجہ بلحاظ روایت" متعین کر سکتا ہے۔

تاہم یہ کام اتنا محنت طلب ہے کہ بعض دفعہ ایک روایت کی تنقیح میں ہفتے بلکہ مہینے بھی لگ سکتے ہیں۔ علمی تحقیق کے اس بھاری پتھر کو چوم کر چھوڑ دینے والے "تن آسانوں" میں ہی دو نمایاں گروہ سامنے آتے ہیں۔ ایک طرف تو "منکرینِ سنّت" ہیں جو اس علمی کام کے کر سکنے کی صلاحیت اور استعداد سے محروم ہونے کے باعث تحقیق کے اس جھنجھٹ میں پڑنے کی بجائے ردّ وقبولِ حدیث کا معیار اپنی پسند ناپسند (خواہشِ نفس) کو ٹھیرا لیتے ہیں۔ دوسری طرف ایسے "متمسکین بالحدیث" بھی ہیں جو یہ سمجھ کر اس محنت سے جان چھڑا لیتے ہیں کہ ائمہ حدیث نے اس ساری تحقیق کا حق ادا کر دیا اور اس میں غلطی کا امکان نہیں لہٰذا حدیث کے مستند مجموعوں (مثلاً بخاری، مسلم یا صحاح ستہ وغیرہ) جو احادیث مروی ہیں ان پر (موادِ تحقیق موجود ہونے کے باوجود) اب کسی مزید تحقیق کی کیا ضرورت ہے؟

زیرِ نظر کتاب ان دونوں "آسانی پسند" نظریات کے برعکس اس محنت اور جانفشانی کا ایک نمونہ ہے جس کے ساتھ ہمارے ائمہ متقدمین نے "نقد الحدیث" یعنی حدیث کی ناقدانہ جانچ پڑتال کے لئے کام۔ اس کتاب کے پڑھنے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اس دوبارہ پڑتال (RE-CKECKING) کے عمل سے ایک طرف تو اکثر صورتوں (CASES) میں ائمہ متقدمین کی جانچ پڑتال کی عملی

تصدیق ہو جاتی ہے اور حدیث کے بارے میں علیٰ وجہ البصیرت اعتماد حاصل ہوتا ہے ـــــ دوسری طرف یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کسی انسانی کام کو سہو و خطا کے انسانی عامل (FACTOR) سے یکسر بری بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تاہم مثبت یا منفی اختتامی نتائج کی بنیاد علمی تحقیق ہونی چاہیئے نہ کہ محض " ذہنی تن آسانی " یا " خواہش نفس " کا اتباع۔

اور اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ :

حدیث کی چھ امہات الکتب یعنی " صحاح ستہ " میں سے ایک کتاب مشہور محدث ابن ماجہ (ت : ۲۷۳ھ) کی " سنن " بھی ہے۔ اور اگرچہ صحاح ستہ میں اس کتاب کی شمولیت محدثین کے درمیان ایک متنازع فیہ معاملہ ہے (اور زیر نظر کتاب میں اس بات پر بھی مکمل بحث کی گئی ہے) تاہم کتب حدیث میں " سنن ابن ماجہ " کے ایک بلند پایہ کتاب ہونے سے کسی کو انکار نہیں ـــ اور زیر نظر کتاب میں ابن ماجہ کی نمایاں خصوصیات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے علمی عروج کے دور میں کسی بھی عالم کی تحقیق کو حرف آخر نہیں سمجھا جاتا تھا ـــ اسی علمی تحقیق اور تنقید کے ذریعے اور اسی جذبے کے ساتھ کام کرتے ہوئے ابن الجوزی (ت : ۵۹۷ھ) نے ابن ماجہ کی کتاب " سنن " میں سے تیس (۳۰) احادیث کو اصول روایت و درایت اور علم الرجال کی روشنی میں " موضوع " یعنی من گھڑت قرار دیا ـــ خیال رہے کہ سینکڑوں احادیث کے اس پورے مجموعہ پر ناقدانہ نظر ڈالنا اور پھر علمی تحقیق کے معیار پر پوری نہ اترنے والی تیس احادیث کی نشان دہی کرنا بذات خود، آج کے حساب سے " دو جنوں " پی ایچ ڈی کے برابر کام ہے۔ تاہم اہل علم کے ہاں تحقیق اور " تحقیق مکرر " کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ چنانچہ السیوطی (ت : ۹۱۱ھ) نے اور بعض دیگر محدثین نے بھی ـــ روایت اور درایت کی ہی روشنی میں بحث کرتے ہوئے ابن ماجہ کی ان احادیث کی صحت کا دفاع کیا اور ابن الجوزی کی تحقیقات کو غلط قرار دیا۔

زیر تبصرہ کتاب کے فاضل مؤلف نے علامہ ابن الجوزی اور علامہ السیوطی (اور دیگر محدثین مدافعین) کی اس بحث میں بڑی محنت اور کامیابی کے ساتھ ایک فاضل جج کا کام کیا ہے۔ تاہم بحث کو طوالت سے بچانے کے لئے انہوں نے ان تیس میں سے صرف دس احادیث کو موضوع بحث بنایا ہے (کتاب دراصل وہ تحقیقی مقالہ ہے جو مؤلف نے ایم اے کی ڈگری کے لئے برمنگھم یونیورسٹی (برطانیہ) میں ۱۹۸۲ میں پیش کیا تھا اور اسی لئے کام کو محدود کرنا پڑا۔)

کتاب کے پہلے حصّے ۔ کے چھ ابواب ـــــ میں بطور تمہید پہلی تین ہجری صدیوں میں روایتِ حدیث کے اصول خصوصاً اسناد اور ان کی تنقید کے عہد بعہد ارتقاء سے بحث کی گئی ہے ۔ اور اس میں اسباب " وضع حدیث " کا بھی جائزہ لیا گیا ہے ۔ اور یہ حصّہ بھی معلومات کا ایک عمدہ ذخیرہ بن گیا ہے ۔

کتاب کے دوسرے حصّے میں ابنِ ماجہ کی شخصیت اور ان کی کتاب کے تعارف (مع تنقید) کے بعد دس متنازعہ فیہ احادیث پر اصولِ روایت و درایت اور فن الرجال کی روشنی میں محققانہ بحث کی گئی ہے ۔ ابن الجوزی اور السیوطی کے دلائل کا موازنہ کیا گیا ہے اور کتاب کا یہی وہ حصّہ ہے جس میں رد و قبولِ حدیث میں اسماء الرجال سے عالمانہ استفادہ کیا گیا ہے ۔ اور اسی حصّے کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتنا دقیق اور مشکل فن ہے ۔

مؤلف نے بعض احادیث (ح ۲ ، ۵ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰) کے مختلف طرق اور اسناد کے رواۃ کا ذکر ڈایاگرام (شجرہ) کی شکل میں کیا ہے جس سے بات کو سمجھنا نسبتاً آسان ہو جاتا ہے ۔ اصولِ روایت کے علاوہ مؤلف نے کم از کم پانچ احادیث (ح ۳ ، ۵ ، ۶ ، ۸ ، ۹) کے ضمن میں اصولِ درایت سے بھی کام لیا ہے ۔ ساری بحث کے نتیجے میں مؤلف نے دس میں سے سات احادیث کے معاملے میں ابن الجوزی سے اتفاق کیا ہے ۔ یعنی یہ احادیث واقعی موضوع ثابت ہوتی ہیں ـــــ باقی تین احادیث میں سے ایک (ح ۴) کو ضعیف ، ایک (ح ۵) کو مصحف یا معلّل اور ایک (ح ۱۰) کو حدیثِ حسن قرار دیا ہے ۔

ظاہر ہے مجموعی طور پر کتاب (بلحاظ موضوع) فنّی اور عالمانہ ہے ۔ عام آدمی کو اس " خشک تحقیق " میں دلچسپی کا کوئی سامان نہیں ملے گا (سوائے بعض معلومات اور نتائج کے) ۔ لیکن اہلِ علم کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے ۔ اس لئے کہ یہ ایک عظیم مگر بھولے بسرے (NEGLECTED) علم اور فن سے استفادہ کے احیاء کی کوشش ہے ۔

کتاب میں اسماء و اعلام کے انگریزی ضبط میں خاصی محنت سے کام لیا گیا ہے ۔ بلکہ یہ ضبط ان اسماء کو اصل عربی میں پڑھنے والے کے لئے بھی بلحاظِ صحتِ تلفّظ کارآمد اور مفید ہے ۔ تاہم کتاب میں پروف ریڈنگ کی بعض اغلاط موجود ہیں (مثلاً طوس کو طور لکھنا ص ۱۵) امید ہے اگلے

(باقی ص ۸ پر)

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝
(سورۂ بنی اسرائیل)

ترجمہ: قرآن کے ذریعے سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کیلئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں
کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے

سالانہ رپورٹ

انجمن خدام القرآن سندھ (رجسٹرڈ)

برائے سال ۸۸/۱۹۸۷ء

مرتب: سید حامد علی رضوی، معتمد عمومی

شائع کردہ

انجمن خدام القرآن سندھ (رجسٹرڈ)

۵۰ ڈی بلاک بی شمالی ناظم آباد، کراچی۔ فون: ۶۲۴۴۵۰۰

مکتبہ اور سب آفس

۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون ۲۲۵۹۰۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

صدر محترم و معزز اراکین انجمن!

الحمدللہ کہ آج انجمن خدام القرآن سندھ کا دوسرا سالانہ اجتماع منعقد ہو رہا ہے جس میں مجھے انجمن کی سالانہ رپورٹ برائے سال ۸۸ر ۱۹۸۷ء پیش کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی بھی انہی اغراض و مقاصد کے لئے قائم کی گئی ہے جس کے لئے مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور سولہ سال قبل قائم کی گئی تھی۔ محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ مرکزی انجمن کے صدرِ مؤسس ہیں اور انجمن سندھ کے نگران اعلیٰ۔ گویا ان کی شخصیت، ان کا فکر، قرآن کریم کے علم و حکمت کی تشہیر و اشاعت کے لئے ان کے ترتیب دیئے ہوئے پروگرام دونوں انجمنوں کے جسم میں روح رواں کا کام دے رہے ہیں۔ جہاں مقاصد کی ہم آہنگی کے اعتبار سے انجمن سندھ، مرکزی انجمن کا ایک AFFILIATED ادارہ ہے، وہاں مالی اور انتظامی امور کے لحاظ سے انجمن سندھ ایک خود مختار (AUTONOMOUS) ادارہ ہے۔ آپ کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ قواعد و ضوابط دفعہ ۴ (د) کے لحاظ سے انجمن سندھ کو اپنی سالانہ آمدنی کا جو دس فیصد حصہ مرکزی انجمن کو دینا ضروری تھا، اب مرکزی انجمن کے فیصلے مورخہ ۲۴ جون ۸۸ء کے تحت یہ شق ساقط کر دی گئی ہے لہٰذا اب انجمن سندھ اپنی آمدنی کا صد فیصد اپنے اغراض و مقاصد کے حصول و تکمیل کے لئے صوبہ سندھ میں خرچ کر سکتی ہے

مجلس منتظمہ اور اس کے عہدیداران

آپ کو معلوم ہے کہ انتظامی امور کو سرانجام دینے کے لئے انجمن سندھ کی مجلس عامہ انجمن کے دستور العمل کی دفعہ نمبر ۲، ذیلی دفعہ نمبر (۱) (ا) کے تحت ابتدا میں ایک سال کے لئے اور پھر ہر دو سال بعد بیلٹ کے ذریعہ ایک مجلس منتظمہ کا انتخاب کرتی ہے۔ گزشتہ سال سالانہ اجتماع کے موقع پر جو مجلس منتظمہ دو سال کے لئے منتخب کی گئی تھی ان اراکین کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

حلقہ مؤسسین و محسنین

جناب زین العابدین جواد صاحب — جناب عبدالخالق چاندنہ صاحب
جناب سراج الحق سید صاحب — جناب عبدالمجید شیخ صاحب
جناب طارق امین صاحب — جناب عبدالواحد عاصم صاحب
جناب ڈاکٹر نور الٰہی صاحب

حلقہ مستقل ارکان

جناب راجہ محمد ارشاد صاحب — جناب سید حامد علی رضوی صاحب
جناب سراج احمد صاحب — جناب سید واحد علی رضوی صاحب

حلقہ عام ارکان

جناب ضمیر اختر صاحب — جناب عبدالرحمٰن ہنگورا صاحب
جناب محمد عباس علی صاحب — جناب قاضی عبدالقادر صاحب

(توضیح ۔ حلقہ عام ارکان میں سے دوران سال ماہ جون میں جناب ضمیر اختر صاحب نے استعفیٰ دے دیا تھا اور ان کی جگہ مجلس منتظمہ کی طرف سے جناب سید شاہد علی صاحب کا تقرر کیا گیا) ۔

منتخب مجلس منتظمہ میں سے انجمن کے نگران اعلیٰ صدر انجمن نامزد کرتے ہیں اور پھر صدر انجمن، معتمد عمومی، معاون معتمد اور ناظم مالیات کا تقرر کرتے ہیں۔ اعزازی محاسب کا تقرر ہر سال کے لئے مجلس منتظمہ کرتی ہے۔ اس طرح گزشتہ سال منتخب مجلس منتظمہ میں سے مندرجہ ذیل حضرات کا تقرر ان کے سامنے لکھی ہوئی ذمہ داری کے لئے کیا گیا تھا:-

جناب سراج الحق سید صاحب — صدر
جناب سید حامد علی رضوی صاحب — معتمد عمومی
جناب عبدالرحمٰن ہنگورا صاحب — معاون معتمد
جناب سید واحد علی رضوی صاحب — ناظم مالیات
جناب قاضی عبدالقادر صاحب — اعزازی محاسب

دوران سال جناب سید واحد علی رضوی صاحب نے ذاتی وجوہ کی بنا پر ناظم مالیات کی ذمہ داری سے معذرت کر لی اور ان کی جگہ سید شاہد علی صاحب کا اس ذمہ داری کے لئے تقرر کیا گیا۔ اسی طرح ذاتی وجوہ کی بنا پر جناب قاضی عبدالقادر صاحب نے مالیاتی سال کے خاتمہ کے بعد محاسب کی ذمہ داری سے معذرت کر لی۔ لہٰذا مجلس منتظمہ نے ان کی جگہ ۸۸ ۱۹۸۷ء اور ۸۹ ۱۹۸۸ء دونوں سال کے لئے یہ ذمہ داری جناب عبدالمجید شیخ صاحب کو تفویض کی ہے۔

مجلس منتظمہ کے اجلاس عموماً ہر ماہ ہوتے رہے ہیں اور اراکین کی شرکت قابل اطمینان رہی ہے۔

انجمن کی رکنیت اور اراکینِ انجمن کی ذمہ داریاں

انجمن کی رکنیت جون ۸۸ء کے اختتام پر مندرجہ ذیل تھی۔ ساتھ ہی تقابل کے لئے جون ۸۷ء کے اختتام کے اعداد و شمار بھی درج کئے جا رہے ہیں:۔

	۱۹۸۸ء	۱۹۸۷ء
حلقہ مئو مسسین	۱۸	۱۸
حلقہ محسنین	۵	۱
حلقہ مستقل ارکان	۱۲	۸
حلقہ عام ارکان	۸۶	۷۵
میزان	۱۲۰	۱۰۲

اس طرح سال ۸۸/۱۹۸۷ء کے دوران حلقہ محسنین، مستقل ارکان اور عام ارکان میں علی الترتیب ۴، ۴، اور ۱۱ ارکان کا اضافہ ہوا۔ حضرات! میں آپ سب کی توجہ اس اہم بات کی طرف دلانا چاہتا ہوں کہ انجمن کی رکنیت میں اضافے کی رفتار، جیسا کہ اوپر کے اعداد و شمار سے ظاہر ہے، ناقابل اطمینان بلکہ مایوس کن ہے۔ اس رفتار کو بڑھانے کے لئے نہ صرف ارکان مجلس منتظمہ کو کوشش کرنا چاہئے بلکہ انجمن کا ہر رکن اس کو اپنی ذاتی ذمہ داری سمجھے اور حتی الامکان سعی کرے۔ اگر انجمن کے موجودہ اراکین میں سے ہر فرد انجمن کا

صرف ایک رکن اور بنا سکے تو ارا لین کی تعداد دگنی ہو سکتی ہے!۔

دوسری اہم بات جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ دینی کاموں کے لئے بھی پیسہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے ہم میں سے ہر شخص کو نہ صرف خود زیادہ سے زیادہ مالی اعانت کرنے کی کوشش کرنا چاہئے بلکہ ساتھ ہی ساتھ اپنے عزیز و اقربا اور احباب کو بھی انجمن کی اعانت پر آمادہ کرنا چاہئے۔ یہ اعانت انجمن کی رکنیت کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے اور خصوصی اعانت کی صورت میں بھی۔ خیال رہے کہ مقررہ ماہانہ اعانت مبلغ ۳۰، ۵۰ اور ۱۰۰ روپے برائے عام ارکان، مستقل ارکان اور مئو سسین محسنین بالترتیب اعانت کی کم از کم مقدار مقرر ہے۔ یہ اعانت کی آخری حد نہیں ہے!۔

تیسری ضرورت جو پیسہ ہی کی طرح اہم بلکہ شاید اہم تر ہے وہ ہے آپ کا وقت، آپ کی صلاحیتیں اور آپ کی توانائیاں جو انجمن کو درکار ہیں۔ انجمن کی تربیت گاہیں، درس و تدریس کے سلسلے، کتب کے تراجم، حساب کتاب لکھنے کی ضرورت، خط و کتابت، مالی اعانت کے لئے تگ و دو وغیرہ، یہ سب شعبہ جات، وقت اور صلاحیت چاہتے ہیں۔ آپ خود جائزہ لیجئے کہ آپ اپنی انجمن کی کس شعبہ میں کیا مدد کر سکتے ہیں۔ اپنی قیمتی آراء سے بھی ہمیں نوازیئے۔ ہمیں اس کی بھی اشد ضرورت ہے۔

۱۹۸۷/۸۸ء کی اہم پراجیکٹس

(۱) انجمن کے لئے قطعہ زمین/مکان کی خرید:

اس پراجیکٹ پر آپ کی مجلس منتظمہ کا سال کے دوران بڑا وقت خرچ ہوا ہے۔ مختلف جگہ جو کوششیں کی گئی ہیں اور تا حال کی جا رہی ہیں ان میں سے دو اہم کوششیں آپ کی اطلاع کے لئے بیان کی جاتی ہیں:۔

(ا) ڈیفنس اتھارٹی میں "کہکشاں" کلفٹن کے علاقے میں ایک پلاٹ مسجد کے لئے مختص کیا گیا ہے۔ آپ کی انجمن نے اس پلاٹ کے لئے عرضی دی اور آپ کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ اتھارٹی نے تین ہزار گز کا پلاٹ الاٹ بھی کر دیا ہے۔ لیکن الاٹمنٹ کی بعض شرائط ایسی ہیں کہ اگر سختی سے لاگو کی جائیں تو مستقبل میں انجمن کے کام میں رکاوٹ کا سبب

بن سکتی ہیں۔ اس لئے ان شرائط کو منسوخ یا نرم کروانے کے لئے کوششیں جاری ہیں۔

(ب) K.D.A. میں آپ کی انجمن نے ایک وسیع قطعہ زمین (دس ہزار گز کے AMENITY PLOT) کے لئے درخواست دی ہے۔ فی الحال K.D.A. کی نئی گورننگ باڈی (GOVERNING BODY) کی تشکیل تک 'AMENITY' پلاٹس کی درخواستیں زیر غور نہیں آرہی ہیں۔ آپ کی مجلس منتظمہ K.D.A. سے برابر FOLLOW UP کررہی ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس جگہ بلکہ جس جس جگہ بھی انجمن کے لئے مناسب قطعہ زمین کا انتظام ہو جائے گا ہم انشاء اللہ تعالیٰ عربی زبان کی تعلیم و ترویج، قرآن مجید کی تعلیم و تعلم اور علوم قرآنی کی نشر و اشاعت کے پروگرام شروع کر دیں گے۔

اب تک مناسب جگہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے عربی زبان اور قرآن کریم کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام نہیں ہو سکا ہے البتہ انجمن نے قرآن کریم کی نشر و اشاعت کا کام بقدر استطاعت و استعداد کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ الحمد للہ کہ سال ۸۸-۱۹۸۷ء میں انجمن سندھ نے اس سلسلے میں جو اہم پروگرام منعقد کئے وہ مختصراً بیان کئے جاتے ہیں:۔

(۲) شام الھدیٰ ..... انجمن اپنی تأسیس کے وقت سے درس قرآن کا ماہانہ پروگرام جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس پروگرام کے لئے انجمن کے نگران اعلیٰ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کراچی تشریف لاتے ہیں۔ ۱۹۸۷ء تک یہ پروگرام تاج محل ہوٹل اور اس سال جنوری سے ریکس آڈیٹوریم میں منعقد کیا جاتا ہے۔ شام الھدیٰ کے دروس کی اہمیت اجاگر کرنے کی غرض سے میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے چند اہم موضوعات بیان کر دیئے جائیں جن پر ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے دوران سال خطاب فرمایا:۔

☆ ..... سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی روشنی میں

☆ ..... وحدت ملی اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

☆ ..... جہاد فی سبیل اللہ کی غایت اولیٰ۔ شہادت علی الناس (سورۃ الحج)

☆ ..... ایمان بالآخرۃ۔ (سورۃ القیامہ)

☆ ..... حٰمٓ تنزیل۔ (سورۃ حٰمٓ السجدہ)

☆ ..... فریضہ اقامت دین اور اس کے لوازم (سورۃ الشوریٰ)

آپ کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ شام الحمدی میں اوسط حاضری تقریباً ایک ہزار ہوتی ہے اور اس میں سرکاری ملازم، تاجر اور صنعت کار، ڈاکٹر اور انجینئر، طلبا اور اساتذہ، غرض کہ معاشرے کے ہر طبقے سے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ خواتین کے لئے پردے کا انتظام ہوتا ہے اور وہ بھی شام الحمدی میں شرکت کرتی ہیں۔

(۳) ۱۹۸۸ء میں بھی انجمن نے کالج کے طلبا کی گرمیوں کی تعطیلات میں ایک پندرہ روزہ دینی تربیت گاہ کا پروگرام بنایا تھا۔ کالج کی تعطیلات دیر میں شروع ہونے کی وجہ سے یہ تربیت گاہ جون کی بجائے جولائی میں منعقد کی گئی۔

(۴) اس سال کے دوران انجمن نے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تالیف "قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ۔ الفاتحہ تا الکہف" کا سندھی ترجمہ شائع کر کے اندرون سندھ برائے نام قیمت پر یا ہدیۃً تقسیم کیا۔ یہ کتاب تین ہزار کی تعداد میں تقریباً ساڑھے اکیس ہزار روپے کی لاگت سے شائع کی گئی۔

(۵) مکتبہ انجمن کو توسیع دی گئی ہے۔ نئی کتب کے ساتھ ساتھ ہر ماہ نگران اعلیٰ کے دروس قرآنی اور عام خطابات کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹس کا باقاعدگی سے اضافہ کیا جاتا رہا ہے۔

(۶) مکتبہ انجمن سے کراچی اور اندرون سندھ کی کئی لائبریریوں کو کتب اور کیسٹس ہدیۃً مہیا کئے گئے۔

(۷) محاضرات قرآنی کا ایک چار روزہ پروگرام ترتیب دیا جا رہا ہے۔ انشاء اللہ نومبر ۸۸ء کے اواخر میں ریکس آڈی ٹوریم میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا یہ سلسلہ خطاب منعقد کیا جائے گا۔

اوپر بیان کئے گئے قرآن حکیم کی ترویج و اشاعت کے پروگرامز کے علاوہ چند باتیں آپ کے علم میں اور لانا چاہتا ہوں جس کے لئے ۸۸-۱۹۸۷ء میں آپکی مجلس منتظمہ نے کوشش کی ہے۔

(i) انجمن کے نام پر موجودہ دفتر D 56 بلاک B میں ایک ٹیلی فون کنکشن حاصل کر لیا گیا ہے' اس کا نمبر ۶۲۴۴۵۰ ہے۔

(ii) ٹیکس میں چھوٹ (TAX EXEMPTION) کے لئے سینٹرل بورڈ آف ریونیو (C.B.R.) سے برابر خطوکتابت جاری ہے اور سب معلومات اور ان کے سوالات کے جوابات مہیا کر دیئے گئے ہیں' اب رکاوٹ انجمن کے فاضل اثاثہ کی N.I.T. میں انوسٹ منٹ (INVESTMENT) کی ہے۔ اس سے پہلے کہ انجمن یونٹس خریدے' ہم پوری تسلی کر لینا چاہتے ہیں کہ N.I.T. کا کاروبار سودی لین دین سے بالکل پاک ہے۔

(iii) مکتبہ کی فروخت کی رقم جمع کروانے اور مرکزی انجمن لاہور کو کتب و رسائل کی خرید کی ادائیگی کے لئے انجمن نے مکتبہ سے بالکل نزدیک مسلم کمرشل بینک میں ایک کرنٹ (CURRENT) اکاؤنٹ کھول لیا ہے'

اختتامیہ

معزز اراکین انجمن!

انجمن خدام القرآن سندھ کی سال ۸۸ ۱۹۸۷ء کی کارگزاری آپ کی خدمت میں پیش کی گئی ـــــ قرآن کریم کی ترویج و اشاعت میں جو کچھ بھی ممکن ہوا وہ صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید سے ہوا اور جو کوتاہیاں اور غلطیاں ہم سے سرزد ہوئیں ان کے لئے ہم اللہ تعالیٰ سے معافی کے طلب گار ہیں۔ ساتھ ہی ہم یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ وہ انجمن کی مجلس منتظمہ کو اور تمام اراکین انجمن کو دین کی خدمت پر استقامت عطا فرمائے اور ہم سب کو اس راہ پر گامزن رکھے جو اس کے دین کے قیام اور غلبہ کی منزل کی طرف لے جاتی ہے اور ہماری حقیر کوششوں کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین۔

★★★★★★

تفصیل آمدن

یکمشت زرِ تعاون محسنین	60,000/-	روپے
〃 〃 〃 مستقل ارکان	8,000/-	〃
ماہانہ زرِ تعاون تینوں انواع	41,220/-	〃
خصوصی اعانت	72,436/-	〃
فروخت از مکتبہ	1,16,092/50	〃
کل آمدن	2,97,748/50	〃

تفصیل اخراجات

خریداری کتب برائے مکتبہ	70,052/-	روپے
اشاعت سندھی تراجم	19,075/-	〃
شام الہدیٰ	19,905/80	〃
دیگر اخراجات	[illegible] 369 24	〃
کل اخراجات	[illegible] 46,2 04	〃
کل آمدن بعد اخراجات	[illegible] 346 46	〃
میزان	2,97,748/50	〃

OCTOBER 1988 Regd No. L. No. 8193

MONTHLY
HIKMAT_E_QURAN
LAHORE

VOL. 7
NO. 10

- قرآنِ مجید
- القرآن الحکیم
- القرآن العظیم
- قرآنِ کریم

جسے اللہ تعالیٰ نے
متقیوں کے لیے ہدایت اور مومنوں کے لیے شفا اور رحمت قرار دیا

اور

جس کا علم حاصل کرنے اور دوسروں کو تعلیم دینے والوں کو
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
"بہترین لوگ" کے خطاب سے سرفراز فرمایا

آیئے!

اس کتاب مبین کی نشر و اشاعت اور اس کے تعلیم و تعلّم میں

انجمن خدام القرآن سندھ

کا ھاتھ بٹایئے اور اس کے معاون و مددگار بن جایئے